

رجب الرجب ۱۴۴۳ھ
فروری ۲۰۲۲ء



مہمان

کے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
بانی: ڈاکٹر سارا الحمد

آخری صلیبی جنگ

بنی تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر سارا الحمد

فتیق تنظیم اور قرآن حکیم
ڈاکٹر محمد طاہر خاکانی



داعی رجوع الی القرآن، بانی تنظیم اسلامی

محترم ڈاکٹر اسحاق احمد

کے شہرہ آفاق دورہ ترجمہ قرآن پر مشتمل

بیان القرآن

ترجمہ و مختصر تفسیر

اب دو انداز سے دستیاب ہے

• خوبصورت ٹائل • عمدہ سفید کاغذ • معیاری طباعت

2935 صفحات پر مشتمل، سات جلدیں میں

1

(الگ الگ جلدیں بھی دستیاب ہیں!)

مکمل سیٹ کی قیمت: 5000 روپے

2 متعدد اضافی خوبیوں کا حامل، طبع جدید

• قرآنی رسم الخط • تفسیری سائز • مضبوط ریگزین جلد

2560 صفحات پر مشتمل، چار جلدیں میں

مکمل سیٹ کی قیمت: 4800 روپے

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36، ماؤنٹاؤن لاہور، فون 3- (042) 35869501

وَأَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيشَاقَهُ الَّذِي وَأَثْقَلَكُمْ بِهِ لَا إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطْعَنَا (المائدۃ:۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!



جلد	:	71
شمارہ	:	2
رجب المرجب	:	1443ھ
فروری	:	2022ء
فی شمارہ	:	40 روپے
سالانہ زیرِ تعاون:	:	400 روپے

مدرسہ ادارت:

ایوب بیگ مرزا، خورشید انجم

مدرسہ

حافظ عاکف سعید

ادارتی معاون:

حافظ محمد زاہد، محمد خلیق

نائب مدرسہ

حافظ خالد محمود حضر

مکتبہ خدام القرآن لاہور



مقام اشاعت: 36۔ کے ماؤن ٹاؤن لاہور 54700، فون: 3-35869501

فیکس: 35834000، ای میل: maktaba@tanzeem.org

تریل زر: مکتبہ مرکزی انجم خدام القرآن لاہور

رابطہ برائے ادارتی امور: (042)38939321

publications@tanzeem.org

ویب سائٹ: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: ”دارالاسلام“ ملتان روڈ چوہنگ لاہور

(پوسٹ کوڈ 53800) فون: 78-35473375 (042)

پبلیشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجم خدام القرآن لاہور

طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمبیڈ

مشمولات

5	عرض احوال	ڈیورنڈ لائن: تاریخی حقائق	ادارہ
9	بیان القرآن	سورۃ الحشر (آیات ۱۱ تا ۲۳)	ڈاکٹر اسرار احمد
23	تذکرہ و تبصرہ	آخری صلیبی جنگ	ڈاکٹر اسرار احمد
40	ہماری دعوت	رفیق تنظیم اسلامی اور قرآن حکیم	ڈاکٹر محمد طاہر خاکواني
57	اللہ مَعَ اللہِ؟	التوحید فی القرآن	پروفیسر یوسف سلیم چشتی
63	ظروف و احوال	صلیبیوں کے فکری و عسکری حملے	رضی الدین سید
71	انوارِ حدایت	خوفِ خدا اور فکرِ آخرت	پروفیسر محمد یونس جنجوعہ
76	علومِ قرآنی	تفسیر کے ناقابل اعتبار مآخذ (۲)	پروفیسر حافظ قاسم رضوان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ○

ڈیورنڈ لائن: تاریخی حقائق

گزشتہ تقریباً ایک ماہ سے پاک افغان بارڈر پر کچھ تلخ واقعات کی خبریں گردش کر رہی ہیں۔ دائرہ ہونے والی کچھ ویدیو میں دکھایا گیا ہے کہ بارڈر پر لگی باڑ کو افغان طالبان ہٹا رہے ہیں اور ان کا ایک سینٹر اہلکار پاکستانی فوجیوں کو کہہ رہا ہے کہ سرحد پر دوبارہ باڑ لگانے کی کوشش نہ کی جائے۔ اس سے قبل طالبان حکومت کے قائم مقام وزیر اطلاعات ذبح اللہ مجاہد نے پاکستانی وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کے بیان کا جواب دیتے ہوئے کہا تھا کہ ڈیورنڈ لائن کا مسئلہ ابھی حل طلب ہے، اس وجہ سے پاکستان کو اس پر باڑ لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

پاک افغان بارڈر کے تقریباً دو ہزار چھ سو کلو میٹر حصے کو ڈیورنڈ لائن کہا جاتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب برطانیہ اس علاقے پر قابض ہو گیا تو وہ چاہتا تھا کہ اس کے اور روس کے درمیان ایک بفریقیت ہو۔ لہذا تاج برطانیہ کے وزیر برائے امورِ خارجہ ڈیورنڈ اور والی کابل عبدالرحمان خان کے درمیان پہلے اس حوالے سے مراسلات کا تبادلہ ہوا اور بعد ازاں ۱۲ نومبر ۱۸۹۳ء کو دونوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جس میں اس ڈیورنڈ لائن کو طے کیا گیا۔ اس معاہدے میں قرار پایا تھا کہ دونوں فریق ڈیورنڈ لائن کے آر پار اپنی اپنی حدود میں رہیں گے اور ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔ اس معاہدے کے پیچھے برطانیہ کا اصل مقصد روس کو کاٹنے کرنا تھا۔ گویا ڈیورنڈ لائن کے حوالے سے افغانستان آغاز سے ہی آن بورڈ تھا۔ البتہ اس علاقے میں موجود قبائل نے اس تقسیم کو تسلیم نہیں کیا تھا، کیونکہ یہ قبائل دونوں طرف آباد تھے۔ اسی وجہ سے جب ۱۸۹۳ء میں ڈیورنڈ لائن قائم ہوئی تو ۱۹۱۹ء تک تین اینگلو افغان جنگیں ہوئیں۔ تیسرا اینگلو افغان جنگ کے خاتمے پر ڈیورنڈ معاہدہ میں ترمیم کر کے نیا اینگلو افغان معاہدہ ہوا۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ۱۹۷۶ء میں افغانستان کے صدر سردار داؤد خان نے پاکستان کا سرکاری دورہ کیا اور ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ڈیورنڈ لائن کو سرکاری طور پر تسلیم کیا۔

نائیون کے بعد امریکہ افغانستان میں درآیا تو یہ تنازع ایک بار پھر گرم ہو گیا اور افغانستان میں امریکہ کی کٹھ پتلی حکومتوں نے اس تنازع کو مزید ہوادی۔ اصل میں پاکستان اور افغانستان کا ماہنامہ میثاق 2022ء فروری (5)

بارڈر پہلے بالکل ایک سافٹ بارڈر تھا، لوگوں کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ جب ناسن الیون کے بعد پاکستان میں دہشت گردی عروج پر چلی گئی تو پاک فوج کو مجبوراً وہاں پر باڑ لگانی پڑی، کیونکہ اُس وقت افغانستان میں اشرف غنی جیسے لوگوں کی حکومت تھی جنہیں امریکہ اور بھارت کی پشت پناہی حاصل تھی۔ سی آئی اے اور ”را“ وہیں سے دہشت گرد تیار کر کے پاکستان میں بھیجتے تھے۔ اگر یہ باڑ نہ لگائی گئی ہوتی تو پاکستان میں ابھی تک خون ریزی جاری رہتی، کیونکہ حامد کرزی اور اشرف غنی نے پاکستان کے حوالے سے اپنے عوام کے ذہنوں میں اتنا زہر گھول دیا تھا اور امریکہ نے اس کام کے لیے اتنی فنڈنگ کی تھی کہ وہاں کے عوام پاکستان کو اپنا مخالف سمجھنے لگے تھے۔

اب وہاں اگرچہ افغان طالبان کی حکومت ہے جو پاکستان سے کشیدگی نہیں چاہتے لیکن عوام میں ایسا طبقہ ابھی بھی موجود ہے جو اشرف غنی، بھارت اور امریکہ کا پالا ہوا ہے۔ وہ اس مسئلہ کو دوبارہ ہوا دے رہا ہے۔ ظاہر ہے افغان طالبان کو بھی اپنے عوام کا اعتماد رکھنا ہے اور وہ اس تنازع کو بات چیت کے ذریعے حل کرنے کے خواہاں ہیں۔ جیسا کہ طالبان وزارت خارجہ کے ترجمان عبدالقہار بلخی کا کہنا تھا کہ طالبان حکومت سرحدی معاملے کو اچھے ہمایوں کی طرح افہام و تفہیم اور بات چیت کے ساتھ حل کرنے پر یقین رکھتی ہے اور اس معاملے کو سفارتی ذریعے سے حل کرے گی، لیکن طاغوتی طاقتون کی پوری کوشش ہوگی کہ اس سرحد پر کشیدگی بڑھے۔

نوآبادیاتی طاقتون کا سب سے بڑا مقصد اُمتِ مُسلمہ کو تقسیم و تفریق کے ذریعے کمزور کرنا تھا تاکہ مسلمان آپس میں لڑتے اور ان بھتتے رہیں۔ وہ اپنا اجتماعی مقصد اور اجتماعی دینی فرائض بھول جائیں اور دین کی جگہ وطن کو اور اپنے بچھونا بنالیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے میدانِ جنگ میں کم ہی شکستیں کھائی ہیں لیکن باہم دست و گریباں ہو کر زیادہ نقصان اٹھایا ہے۔ اُمتِ مُسلمہ میں سازشوں کا معاملہ تو جنگِ جمل (۶۵۶ء/۳۲ھ) سے شروع ہو گیا تھا۔ پھر جنگِ صفين (۷۰ء/۳۴ھ) ہوئی تھی۔ ان جنگوں میں مسلمانوں کو آپس میں لڑایا گیا۔ ان سازشوں کا آغاز ایک یہودی عبد اللہ بن سبأ سے ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے یہی صورتِ حال بعد میں بھی جاری رہی۔ مسلمان اس کا صحیح اور اک نہ کر سکے جب کہ دشمن سمجھے چکے تھے کہ مسلمانوں کو شکست دینے کا بس ایک ہی طریقہ ہے کہ ان میں آپس میں اختلاف ڈالا جائے۔ سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے کے لیے مسلمانوں کو آپس میں لڑا دیا گیا۔ عربوں نے بغاوت کی اور ترک پورے مشرق و سطہ میں ہار گئے۔ اس طرح پہلی جنگ عظیم میں سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اسی طرح اسرائیل کا مقابلہ تمام عرب ممالک کے ساتھ تھا۔ چھوٹا سما اسرائیل عرب ممالک کی آپس کی چیقلش، ذاتی مفاد وغیرہ کی وجہ سے ان پر حاوی ہے۔

پھر افغانستان کی مثال ہیں۔ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۹ء تک سات مجاہدین جماعتوں کا اتحاد تھا جس

کی وجہ سے انہوں نے روس کو شکست دی، لیکن وہی اتحاد ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۶ء تک آپس میں لڑتا رہا یا لڑایا گیا جس کی وجہ سے ان کی ہوا اکھڑگئی۔ خون خرابہ ہوا، بدمانی ہوئی اور افغانستان تھس نہیں ہو گیا۔ پھر طالبان آئے تو انہوں نے اپنے پہلے دور حکومت میں امن قائم کیا۔ نائیں الیون کے بعد امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا اور پھر بیس سالہ جدوجہد کے بعد افغان طالبان نے امریکہ اور نیٹو کو شکست دی۔ یعنی مسلمانوں کو جب بھی شکست ہوئی، آپس کی لڑائی کی وجہ سے ہوئی اور جہاں مسلمان غالب ہوئے وہاں متحد ہونے کی وجہ سے ہی ہوئے۔

خلافت کے خاتمه کے بعد جب نسل اور قومیت کی بنیاد پر ریاستیں وجود میں آئیں تو مسلم امت کے اندر سے ”آشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحْمَاءُ بَيْنَهُمْ“، والا معاملہ ختم ہونا شروع ہو گیا۔ یعنی مسلمان ممالک آپس میں اتحاد کرنے کی بجائے ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے لگے۔ تاریخ کو سامنے رکھیں تو سولہویں صدی میں یورپ میں لبرل ازم کا نظریہ پروان چڑھا اور پھر ایک نظام کی شکل اختیار کرتا چلا گیا۔ اسی نظریے پر انہوں نے سیاسی، معاشری، معاشی، تعلیمی، عدالتی غرضیکہ ہر قسم کے نظاموں کو ترتیب دینا شروع کر دیا۔ جب سیکولر ازم اور لبرل ازم کی یہ تہذیب اپنے عروج کی طرف بڑھ رہی تھی تو مسلم تہذیب اور خلافت زوال کی طرف جا رہی تھی۔ ۱۸۳۹ء میں خلافت عثمانیہ میں یہ فیصلہ کر دیا گیا کہ اب عدالتوں میں شریعت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیے جائیں گے۔ یعنی اسی وقت سے قوم پرستی کی داغ بیل پڑنا شروع ہو گئی اور جب ۱۹۲۳ء میں خلافت عثمانیہ کا خاتمه ہوا تو عین اسی دن چالیس قومی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ اس کا بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ مغرب کا سیکولر نظام پوری دنیا میں نافذ ہو گیا۔ یعنی سیاسی، معاشری اور بالخصوص معاشرتی نظام بھی انہی کارانج ہونا شروع ہو گیا۔ قومیت کی بنیاد پر قائم ریاستوں کا نقصان یہ ہوا کہ امت کے اندر تنازعات پیدا ہو گئے۔ کشیدگیاں پہلے بھی ہوتی تھیں لیکن وہ اجتماعی سطح پر حل ہو جاتی تھیں۔ اب ریاستیں ایک دوسرے کی مخالف بننا شروع ہو گئیں اور ”میرا ملک“، اور ”تمہارا ملک“، کانغرہ لگنا شروع ہو گیا۔ اسلام بحیثیت دین پس پشت ڈال دیا گیا اور وہ انفرادی سطح تک محدود ہو کر صرف مذہب کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کے ساتھ خلافت اور جہاد کا تصور بھی لوگوں کے ذہنوں سے محو کر دیا گیا یا کروادیا گیا۔ پھر ”داعش“، جیسی تنظیمیں بنا کر اس تصور کو بدنام کر دیا گیا۔ قرآن سے دُور اور حضور ﷺ سے تعلق کو کمزور کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ پھر افغانستان میں معجزہ ہوا کہ افغان طالبان نے پہلے اسلامی حکومت قائم کر لی اور دوسری مرتبہ دنیا کے سب سے بڑے اتحاد کو شکست دے دی۔ اب امریکہ نے پاکستان اور افغانستان کو بریکٹ کرنا شروع کر دیا اور اپنانیا بیانیہ یہ بنایا کہ ”ایف پاک“، ایک ایسا ریجن ہے جو ان کے عالمی نظام کے لیے

خطرہ ہے۔ صہیونی دوسرے مذاہب کی پیشین گوئیوں پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ مسند احمد اور بنیہقی کی ایک حدیث کے مطابق یہاں مسلم اتحاد بنتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اس حدیث میں حضور ﷺ نے مسلمانوں کے پانچ ادوار گنوائے ہیں۔ پہلا دورِ نبوی ﷺ، دوسرا خلافتِ راشدہ کا دور، پھر کاث کھانے والی ملوکیت کا دور، پھر جبرا اور غلامی کا دور جو نظریاتی غلامی کی شکل میں ابھی تک جاری ہے۔ اس کے بعد پانچواں دورِ خلافت علیٰ منہاج النبوة کا دور ہوگا۔ دیگر احادیث میں خراسان کے علاقے کا نام آتا ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ خراسان سے کالے جھنڈوں والا ایک لشکر نکلے گا اور اس کو کوئی نہیں روک سکے گا یہاں تک کہ وہ ایلیا میں جا کے اپنے جھنڈے گاڑ دے گا۔ ایلیا موجودہ بیت المقدس کی سر زمین کو کہا گیا ہے جہاں اس وقت اسرائیل کی ناجائز ریاست قائم ہے۔

صہیونی طاقتیں ان تمام پیشین گوئیوں سے واقف ہیں، اس لیے وہ کبھی نہیں چاہیں گی کہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان مثالی تعلقات قائم ہوں۔ اسی مقصد کے تحت پچھلے بیس سالوں میں امریکیوں نے پوری کوشش کی کہ افغانستان میں انتشار کاذمہ دار پاکستان کو ٹھہرایا جائے۔ اس کوشش میں بھارت نے بھی اپنا بھر پور حصہ ڈالا۔ افغان طالبان کے حکومت میں آنے کی وجہ سے چونکہ طاغوتی قوتوں کی باقی تمام سازشیں دفن ہو چکی ہیں اس لیے دوبارہ سرحدی تنازع کو اٹھایا جا رہا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر خطے کا امن صہیونی مقاصد کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس بات کو سمجھیں کہ ہماری اصل بنیاد اسلام ہے۔ اگر ہم اسلام کی طرف پیش رفت کریں گے تو اسی میں ہماری سلامتی اور نجات ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ قومی ریاستیں ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے قریب آئیں، اپنے اختلاف ختم کریں اور مل کر نظامِ خلافت کی طرف پیش قدی کریں تاکہ مسلمانوں کی مرکزیت قائم ہو۔ ایک خلیفہ ہو جو ساری امتِ مُسلمہ کا حکمران ہو۔ یہ ہمارا آئندہ میں نظام ہے۔ بقول اقبال ۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخار کا شغیر

چونکہ اس وقت ہم ایک امتِ مسلمہ نہیں ہیں لہذا ہمیں اس طرح کام کرنا چاہیے کہ جس ریاست میں ہم رہتے ہیں اس کا تحفظ یوں کریں کہ دوسری مسلمان ریاست کو کوئی نقصان نہ پہنچ۔ خلافت کے نظام کو ہدف بنا کر آگے بڑھیں، کیونکہ اس ادارے کو ختم کرنے کے بعد ہی ہمارا دشمن دلیر اور جری ہوا۔ اگر خلافت کا نظام دوبارہ قائم ہو جائے تو جیسے ہم پہلے دنیا پر غالب تھے اسی طرح اب بھی عالم اسلام ساری دنیا پر غالب ہوگا۔ ان شاء اللہ!



سُورَةُ الْحَشْر

آیات ۱۱ تا ۷۱

الْمُ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لَا خَوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا
مِنْ أَهْلِ الْكِتَبِ لَئِنْ أُخْرِجُوكُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيْكُمْ
أَحَدًا أَبَدًا١٠ وَإِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَصْرَنَّكُمْ طَ وَاللهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ
لَكَذِبُونَ ۝ لَئِنْ أُخْرِجُوكُمْ لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلْوَا لَا
يَبْصُرُونَهُمْ طَ وَلَئِنْ نَصْرُوكُمْ لَمَيُوْلَنَّ الْأَدْبَارَ قَدْ شَهَدَ لَا
يُنَصْرُونَ ۝ لَا نَتُمْ أَشَدُ رَاهِبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللهِ طَ ذَلِكَ
بِإِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۝ لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرْبَى
مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ طَ بِأَسْهَمِ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ طَ تَحْسِبُهُمْ
جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتِيٌ طَ ذَلِكَ بِإِنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝ كَمَثَلِ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَّا أَمْرِهِمْ طَ وَلَهُمْ عَذَابٌ
الْأَيْمَمٌ ۝ كَمَثَلِ الشَّيْطَنِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ
إِنِّي بَرِيئٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ فَكَانَ
عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا طَ وَذَلِكَ جَزْءُ الظَّلَمِيْنَ ۝

آیت ﴿الْمُ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جونفاں میں
بتلا ہیں،“

﴿يَقُولُونَ لَا خَوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَبِ﴾ ”وہ کہتے ہیں
اپنے اُن بھائیوں سے جنہوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا ہے،“

﴿لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ﴾ ”کہ اگر تم لوگوں کو (کبھی مدینہ سے) نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے“
 یہودیوں کے ساتھ ان منافقین کے خلیفانہ تعلقات تھے۔ ان تعلقات اور روابط کی بنیاد پر منافقین وقتاً فوقاً انہیں یقین دلاتے رہتے تھے کہ ہم آخری دم تک تمہارا ساتھ دیں گے اور اگر تم لوگوں کو کبھی مدینہ سے بے دخل کرنے کی کوشش کی گئی تو ایسی مشکل گھڑی میں ہم شانہ بشانہ تمہارے ساتھ کھڑے ہوں گے۔

﴿وَلَا نُطِيعُ فِيْكُمْ أَحَدًا أَبَدًا﴾ ”اور تمہارے معاملے میں ہم کسی کی بھی اطاعت نہیں کریں گے“

﴿وَإِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ﴾ ”اور اگر تمہارے ساتھ جنگ کی گئی تو ہم لازماً تمہاری مدد کریں گے۔“

منافقین انہیں یقین دلاتے رہتے تھے کہ ہم محض وقتوں پر بعض مصلحتوں کی وجہ سے مسلمانوں میں شامل ہوئے ہیں اور یہ کہ اس وجہ سے تمہارے ساتھ ہمارے پرانے دوستانہ تعلقات بالکل متاثر نہیں ہوں گے۔ چنانچہ تمہارے ساتھ حق دوستی نجحانے میں کوئی مصلحت بھی ہمارے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ ہم بعض معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانتے بھی ہیں، لیکن تمہارے معاملے میں ہم ان کے حکم کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔ اگر مسلمانوں نے کبھی تمہارے خلاف کوئی اقدام کرنے کی کوشش کی تو ہم ان کے ساتھ کھڑے ہونے کے بجائے تمہارا ساتھ دیں گے۔

﴿وَاللَّهُ يَشْهُدُ إِنَّهُمْ لَكُلِّ بُوْنَ ⑩﴾ ”اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔“

آیت ﴿لَئِنْ أُخْرِجْجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ﴾ ”اگر وہ نکالے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے۔“

﴿وَلَئِنْ قُوْتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ﴾ ”اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔“

﴿وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَ الْأَذْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ⑪﴾ ”اور اگر میثاق = (10) فروری 2022ء

انہوں نے بھی اُن کی مدد کی بھی تو پیٹھ دکھادیں گے، پھر ان کی کہیں سے مدد نہیں ہو سکے گی۔“
منافقین اپنے کردار و عمل سے ثابت کر چکے ہیں کہ وہ پست حوصلہ، بزدل اور جھوٹے لوگ ہیں۔ اگر ان میں جوانمردی اور غیرت و حمیت کی کوئی رمق ہوتی تو یہ دوغلہ پن اختیار نہ کرتے، بلکہ ایمان لانے کے بعد سچے مسلمانوں کا طرزِ عمل اختیار کرتے کہ ع ”ہرچہ بادا باد ما کشتی در آب اندا ختیم!“، لہذا اپنے دعووں کے مطابق یہ بھی بھی یہودیوں کا ساتھ نہیں دیں گے، اور اگر ان میں سے کوئی اگاڑا سر پھرے لوگ حقِ دوستی نہ جانے کے جوش میں یہودیوں کے ساتھ کہیں کھڑے ہو بھی گئے تو مشکل وقت آنے پر وہ بھی میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

آیت ﴿۱﴾ ﴿لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ﴾ ”(اے مسلمانو!) یقیناً تمہارا ڈران کے دلوں میں اللہ کی نسبت شدید تر ہے۔“

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا تم لوگوں سے ڈرتے ہیں۔

﴿ذِلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۚ﴾ ”یہ اس لیے ہے کہ یہ ناس بمحظ لوگ ہیں۔“
یہ لوگ سمجھ بوجھ سے عاری ہیں۔ انسان کی اصل سمجھ اور عقل تو وہ ہے جو اسے اللہ سے متعارف کرائے اور ایمان کی راہ سمجھائے۔ اسی طرح انسان کے لیے علم بھی وہی فائدہ مند ہے جو اسے اس حقیقت سے آگاہ کر دے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور دنیا کی زندگی بس کھیل اور تماشا ہے۔ چونکہ منافقین ایسی عقل سے بیگانہ اور ایسے علم سے نا بلد ہیں اس لیے وہ اللہ سے ڈرنے کے بجائے انسانوں سے ڈرتے ہیں اور آخرت کی قیمت پر دنیا سنوارنے کی فکر میں مگن ہیں۔

آیت ﴿۲﴾ ﴿لَا يُقَاتِلُونَكُمْ بِجَمِيعًا إِلَّا فِي قُرْبَىٰ مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ﴾
”یہ بھی اکٹھے ہو کر تمہارے خلاف جنگ نہیں کریں گے، سوائے اس کے کہ قلعہ بند بستیوں میں (رہ کر لڑیں) یاد یواروں کے پیچھے سے۔“

﴿بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ ۚ﴾ ”ان کے آپس کے جھگڑے بہت سخت ہیں۔“
ان کے باہمی جھگڑوں اور مخاصمت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ بزدلی اور خود غرضی ان میں سے ہر ایک کے مزاج کا جزو لا یتفک بن چکی ہے۔ ظاہر ہے اگر یہ لوگ اللہ اور رسول ﷺ سے مخلص نہیں ہیں تو آپس میں ایک دوسرے سے کیسے مخلص ہو سکتے ہیں۔

﴿تَحْسِبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُّهُمْ شَتًّى ط﴾ ”تم انہیں متحد گمان کرتے ہو، حالانکہ ان کے دل پھٹے ہوئے ہیں۔“

ہمارے موجودہ زمانے کے سیاسی اتحاد بھی بدقسمتی سے بالکل یہی نقشہ پیش کرتے ہیں، حتیٰ کہ ”تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم“ کے نام پر بننے والے متحده محاذ کے راہنماؤں کے بھی باہمی اختلافات اس قدر شدید تھے کہ ان میں سے کئی علماء ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز تک ادا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

﴿ذِلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۚ ۱۲﴾ ”یہ اس لیے کہ یہ ایک ایسا گروہ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔“

آیت ۱۳: ﴿كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَّا أَمْرِهِمْ ح﴾ ”(ان کا وہی حال ہوگا) جیسے اُن لوگوں کا معاملہ ہوا جوان سے پہلے قریب ہی اپنے کیے کی سزا چکھے چکے ہیں۔“

اس سے یہودی قبیلہ بنو قینقاع کے لوگ مراد ہیں جنہیں ۲ ہجری میں غزوہ بدر کے بعد مدینہ سے جلاوطن کیا گیا تھا، جبکہ بنو ضیر کی جلاوطنی، جس کا ذکر ہم اس سورت میں پڑھ رہے ہیں، ۳ ہجری میں عمل میں آئی۔ اسی طرح ۵ ہجری میں غزوہ احزاب کے بعد یہودی مدینہ کا تیسرا اور آخری قبیلہ بنو قریظہ بھی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ ۱۵﴾ ”اور ان کے لیے بہت ہی دردناک عذاب ہے۔“
آیت ۱۶: ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَنِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ ح﴾ ”جیسے شیطان کی مثال، جب وہ انسان کو کہتا ہے کہ کفر کر!“

﴿فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِّيٌّ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۖ ۱۶﴾ ”پھر جب وہ کفر کا ارتکاب کر لیتا ہے تو وہ (شیطان) کہتا ہے کہ میں تم سے لاتعلق ہوں، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔“

﴿فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ط﴾ ”تو ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ وہ آگ میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔“

﴿وَذِلِكَ جَزْءُ الظَّالِمِينَ ۖ ۱۷﴾ ”اور یہی ہے بدله ظالموں کا۔“

انسان اور شیطان کی اس ”جوڑی“ کا ذکر سورہ ق میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ کسی کافر، مشرک اور گنہگار کا جو قرین (ساتھی) شیطان ہو گا وہ اس کے بارے میں کیا کہے گا: ﴿وَقَالَ قَرِينُهُ
هُذَا مَالَدِيَّ عَتَيْدُ﴾ ۲۳﴾ ”اور اس کا ساتھی کہے گا: (اے پروردگار!) یہ جو میری تحویل میں
تھا، حاضر ہے!“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ملے گا: ﴿أَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ
عَنِيْدِ﴾ ۲۴﴾ ”جہونک دو جہنم میں ہرنا شکرے سرکش کو“۔ اس کے بعد کی دو آیات میں اس جہنمی
کی مزید صفات بیان کی گئی ہیں۔ وہ شیطان پھر کہے گا: ﴿رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي
ضَلَلٍ بَعِيْدِ﴾ ۲۵﴾ ”پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا، بلکہ یہ خود ہی بہت بڑی گمراہی میں
بتلا تھا“۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: ﴿لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيْ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ
بِالْوَعِيْدِ﴾ ۲۶﴾ مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلُ لَدَيْ وَمَا أَنَا بِظَلَامٍ لِلْعَبِيْدِ﴾ ۲۷﴾ ”اب میرے
سامنے جھگڑو مت، جبکہ میں پہلے ہی تمہارے پاس وعد بھیج چکا ہوں۔ میرے حضور میں بات
تبديل نہیں کی جاسکتی اور میں اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہوں۔“

آیات ۱۸ تا ۲۳

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَنْظُرُ نَفْسَ مَا قَدَّمْتُ لِغَيْرِ
وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ حَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۱۸ وَ لَا تَكُونُوا
كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَإِنْسَهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَئِكَ هُمُ الْفُسِقُونَ ۱۹
لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ
الْفَارِزُونَ ۲۰ لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاسِعاً
مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَ تِلْكَ الْأَمْثَالُ نَصِّرُ بُهْمًا لِلنَّاسِ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۲۱ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ جَعْلِ
الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۲۲ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا
إِلَهَ إِلَّا هُوَ جَلِيلُ الْقُدُّوسِ السَّلَمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَمِّنُ الْعَزِيزُ
الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَنَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۲۳ هُوَ اللَّهُ الْعَالِقُ
الْبَارِعُ الْمَصْوِرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى سُبْحَنَ لَهُ مَا فِي
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۲۴

اب ہم اس سورت کے تیسرے اور آخری رکوع کا مطالعہ کرنے جا رہے ہیں جو بہت اہم آیات پر مشتمل ہے۔ اس حوالے سے یہ نکتہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ جب قرآن مجید کے کسی مقام یا کسی آیت کی خصوصی اہمیت کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے اس مقام یا آیت کا کوئی خاص پہلو یا خاص موضوع مراد ہوتا ہے، ورنہ قرآن مجید کا تو ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف اہم ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے بعض مقامات فلسفہ و حکمت کے اعتبار سے اہم ہیں تو بعض دوسرے مقامات سائنسی حوالے سے لاائق توجہ ہیں۔ بعض آیات روحِ دین سے بحث کرتی ہیں تو بعض ایمان کی ماہیت واضح کرتی ہیں۔ اسی طرح ہر آیت اور ہر مقام کی اہمیت اپنے موضوع اور مضمون کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ سورۃ الحشر کے آخری رکوع کی اہمیت فلسفہ اور تصوّف کے موضوع کی وجہ سے بھی ہے اور اسماءؐ حسنی کے اس عظیم الشان گلڈستے کے اعتبار سے بھی جو پورے قرآن میں بالکل یکتا اور منفرد ہے۔ اس سورت کی آخری تین آیات اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ذکر کے حوالے سے سورۃ الحدید کی ابتدائی چھ آیات کے ہم وزن ہیں۔ ان تین آیات میں ایک ساتھ رسولہ اسماءؐ حسنی آئے ہیں اور ان میں سے آٹھ اسماءؐ حسنی تو ایک ہی آیت میں ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں اسماءؐ حسنی کے ایک مقام پر اکٹھے ہونے کی اور کوئی مثال قرآن مجید میں نہیں ملتی۔

آیت ﴿۱۷﴾ ﴿۱۷﴾ آیت ﴿۱۷﴾ ”اے اہلِ ایمان! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر جان کو دیکھتے رہنا چاہیے کہ اُس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے؟“

ظاہر ہے یہ اُس کل کے دن کی بات ہے جو بعثت بعد الموت کے بعد آنے والا ہے، جس دن ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہوگا۔ اس دن کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ ہر اہلِ ایمان اپنی زندگی اللہ کے تقویٰ کے سامنے میں گزارنے کا اہتمام کرے اور اپنے اعمال کا مسلسل جائزہ لیتا رہے کہ اُس نے آخرت کے حوالے سے اب تک کیا کمائی کی ہے اور کائناتی حکومت کے امپیریل بینک میں اپنے کل کے لیے اب تک کتنا سرمایہ جمع کرایا ہے۔

﴿۱۸﴾ ”اوَاتَّقُوا اللَّهَۖ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾“ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو یقیناً تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اُس سے باخبر ہے۔“

اس آیت میں بنیادی طور پر دو باتوں پر زور دیا گیا ہے: اللہ کا تقویٰ اور فکرِ آخوت۔ بلکہ **إِتَّقُوا اللَّهَ كَآنْ حُكْمُ يَهَا** خصوصی تاکید کے طور پر دو مرتبہ آیا ہے۔ تقویٰ سے عام طور پر اللہ کا خوف اور ڈرمرا دلیا جاتا ہے۔ لیکن اس ضمن میں یہ اہم نکتہ ضرور مذکور رہنا چاہیے کہ اس خوف میں شیریا سانپ کے خوف کی طرح دہشت کا عنصر بالکل نہیں، بلکہ اس کی مثال ایسے خوف کی سی ہے جیسا خوف سعادت مندا ولادا پنے والد سے محسوس کرتی ہے۔ اس خوف میں محبت اور احتیاط کے جذبات غالب ہوتے ہیں کہ ہمارے والد ہم سے ناراض نہ ہو جائیں اور ہم کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے ہمارے والد کے جذبات و احساسات مجرور ہوں۔ چنانچہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کے دل میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ڈر رہے۔ — تقویٰ کے لغوی معنی بچنے کے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچ بچ کر زندگی گزارنا۔

آیت ۱۹ ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَدْهُمْ أَنْفُسَهُمْ ط﴾ ”اور (اے مسلمانو! دیکھنا!) تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں اپنے آپ سے غافل کر دیا۔“

﴿أُولَئِكَ هُمُ الْفَسِقُونَ ۚ﴾ ”یہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں۔“

ہمارے لیے اس آیت کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ علامہ اقبال کے بیان کے مطابق انہوں نے اپنا فلسفہ خودی اسی آیت سے اخذ کیا تھا۔ علامہ کے اس بیان کے راوی سید نذر نیازی ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون میں اس حوالے سے ایک واقعہ رقم کیا ہے۔ (یہ واقعہ انہوں نے ہمارے ہاں قرآن کا نفرنس میں اپنے ایک ٹیکھر میں بھی بیان کیا تھا۔) وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ انہوں نے علامہ اقبال سے ان کے فلسفہ خودی کے مأخذ کے بارے میں سوال کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے فلسفہ خودی کے مأخذ کے بارے میں بہت چہ میگویاں ہوتی ہیں۔ کوئی دعویٰ کرتا ہے کہ آپ نے یہ فلسفہ نظری سے لیا ہے، کوئی اس حوالے سے کسی دوسرے مغربی فلاسفہ کا نام لیتا ہے۔ بہتر ہوگا آپ خود واضح فرمادیں کہ آپ کے اس فلسفہ کا مأخذ کیا ہے؟ یہ سن کر علامہ اقبال نے انہیں فرمایا کہ آپ کل فلاں وقت میرے پاس آئیں، میں آپ کو اس کے مأخذ کے بارے میں بتاؤں گا۔ اس پر وہ بہت خوش ہوئے کہ شاعر مشرق اور حکیم الامم انہیں یہ اعزاز بخش رہے ہیں کہ انہیں اس موضوع پر تفصیلی ڈیکٹیشن دیں گے۔ لیکن اگلے دن جب وہ کاپی پنسل ہاتھ میں لیے

مقررہ وقت پر حاضر خدمت ہوئے تو علامہ نے انہیں دیکھتے ہی کہا کہ ذرا قرآن مجید اٹھا لاؤ۔ پھر انہوں نے کہا کہ سورۃ الحشر کی یہ آیت (آیت ۱۹) نکال کر تلاوت کرو! اور انہیں مخاطب ہو کر کہا کہ یہ ہے میرے فلسفہ خودی کا مأخذ!

اب آئیے **فَإِنْسَهُمْ أَنْفُسَهُمْ** کے مفہوم پر غور کریں۔ کیا کوئی شخص اپنے آپ کو اس طرح بھول سکتا ہے کہ وہ خود اپنی شخصیت سے ہی واقف نہ رہے؟ کیا کوئی انسان ایسا بھی ہو سکتا ہے جسے اپنے پیٹ کا خیال نہ رہے؟ یا جسے اپنی کوئی بیماری یاد نہ رہے؟ ظاہر ہے کوئی انسان اپنے جسم اور اس کے تقاضوں سے غافل نہیں ہو سکتا۔ تو معلوم ہوا کہ حیوانی جسم کے علاوہ انسان کی کوئی اور حیثیت بھی ہے جسے وہ بھول جاتا ہے اور وہ ہے انسان کی اصل حقیقت یعنی اس کی ”روح“۔ جہاں تک انسان کے اللہ کو بھلانے کا تعلق ہے اس کا ذکر سورۃ المجادلہ کی آیت ۱۹ میں بھی آیا ہے:
﴿إِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَإِنْسَهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ ط﴾ ”شیطان نے ان پر قابو پالیا ہے، پس انہیں اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔“ اب آیت زیر مطالعہ میں ایسے لوگوں کی اس سزا کا ذکر ہے جو انہیں دنیوی زندگی میں ہی مل جاتی ہے۔ یعنی جو لوگ شیطان کے بہکاوے میں آ کر اللہ کو بھول جاتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ان کی اصل حقیقت سے غافل کر دیتا ہے۔ پھر ان لوگوں کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ وہ انسان ہیں، اشرف المخلوقات ہیں یا اللہ کے بندے ہیں۔ انہیں بس یہی یاد رہ جاتا ہے کہ بہت سے حیوانات کی طرح وہ بھی ایک حیوان ہیں۔

آج ہماری جدید تہذیب بھی مختلف انداز سے ہمیں یہی سبق پڑھانے کی کوشش میں ہے کہ انسان محض ایک حیوان ہے۔ اس فلسفے کو متعارف کرانے اور پروان چڑھانے میں بنیادی کردار ڈاروں کے نظریہ ارتقاء (Evolution Theory) نے ادا کیا ہے۔ اس تھیوری کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک حیوان اور انسان میں بنیادی فرق صرف ارتقاء کے مراحل اور مدارج کا ہے۔ جیسے گدھے اور گھوڑے میں صرف یہ فرق ہے کہ گدھا نچلے درجے کا (rough & coarse) اور جانور ہے، جبکہ گھوڑا ارتقاء کا ایک مزید مرحلہ طے کر کے نسبتاً بہتر درجے میں چلا گیا ہے اور ایک refined اور تمکنت والا جانور ہے، اسی طرح کافر ایک گوریلے (chimpanzee) اور انسان میں ہے۔ یعنی گوریلے کے مقابلے میں انسان نسبتاً بہتر قسم کا جانور ہے، باقی ان دونوں کے جبلی تقاضے (instincts) اور محرکات (motives) میں کوئی فرق نہیں ہے۔ — جدید سایکلووجی بھی انہی خطوط پر چل رہی ہے۔ چنانچہ آج کے سایکلو وجہت کو بھی محرکاتِ عمل کے ماننا میثاق

حوالے سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ تو جب یہ فرق مٹ گیا اور انسان اپنی اصلیت کو بھلا کر حیوان بن گیا تو گویا وہ ہر قسم کی اخلاقی پابندیوں سے بھی آزاد ہو گیا۔ انیسویں صدی کے فریض لٹریچر میں بنیادی طور پر اسی نکتے کو فوکس کیا گیا ہے کہ حیوانات کی زندگی فطرت کے عین مطابق ہے، اس لیے ہم انسانوں کو ان سے سبق لیتے ہوئے اپنی زندگی کو خواہ مخواہ کے تکلفات سے آزاد کر لینا چاہیے۔ مثلاً تمام حیوانات لباس سے بے نیاز ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ لباس فطرت کا تقاضا نہیں ہے، انسان کی اپنی ایجاد ہے۔ اسی طرح بیوی، بیٹی اور ماں کی تمیز بھی حیوانات میں نہیں پائی جاتی، یہ پابندی بھی انسان نے اپنے اوپر خود ہی عائد کی ہے۔ یہ ہے آج کے انسان کاالمیہ!

بہر حال یہ آیت ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرتی ہے کہ جو انسان اللہ کو بھلا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اُس کی حقیقت سے غافل کر دیتا ہے۔ انسان کی روح خود اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر پھونگی ہے اور اسی کی وجہ سے وہ ”انسان“ کے مرتبے پرفائز ہوا ہے۔ چنانچہ جب کوئی انسان اپنی روح اور اس کے تقاضوں سے غافل ہو جاتا ہے تو وہ انسان کے درجے سے گر کر حیوان بن جاتا ہے۔ اس حوالے سے اپنے شد کا یہ جملہ بہت اہم ہے:

“Man in his ignorance identifies himself with the material sheaths that encompass his real self.”

اسی real self کا دوسرا نام ”انا“ ہے، لیکن اس سے اصل مراد انسان کی ”روح“ ہی ہے، جسے علامہ اقبال نے فلسفیانہ انداز میں ”خودی“ کا نام دیا ہے:

نقطہ نوری کہ نامِ او خودی ست
زیرِ خاکِ ما شرارِ زندگی ست
ہے ذوقِ تجلی بھی اسی خاک میں پنهان
غافل تو نزا صاحبِ ادراک نہیں ہے!

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان حیوانی جسم اور روح کا مرکب ہے۔ بقول شیخ سعدی:

آدمی زادہ طرفہ معجون است از فرشتہ سرشنۃ وز حیوان

یعنی آدمی ایک ایسی معجون مرکب ہے جس میں فرشتہ اور حیوان دونوں گندھے ہوئے ہیں۔ فرشتہ سے مراد یہاں وہ نورانی روح ہے جو عالمِ امر کی چیز ہے: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ طُقْلٍ﴾

الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّيٍّ وَمَا أُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨﴾ (بنی اسرائیل) ”اور اے بنی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں روح کے بارے میں۔ آپ فرمادیجیے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا علم مگر تھوڑا سا۔“ چنانچہ انسان کی روح نورانی چیز ہے اور اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اگر انسان اللہ کو بھلا دے گا تو اپنی روح یعنی اپنی اصلیت سے بیگانہ ہو کر محض ایک حیوان بن کر رہ جائے گا۔ اس کے بعد اس کی نظر میں اچھے بُرے اور حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں رہے گی۔ انسانی معاشرے کے ایسے ہی افراد آیت زیر مطالعہ کے حکم ”أُولَئِكَ هُمُ الْفَسِقُونَ“ کے مصدق ہیں۔

آیت ﴿لَا يَسْتَوِيَ أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ﴾ ”(دیکھو!) برابر نہیں ہو سکتے آگ والے اور جنت والے۔“

»أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾“ یقیناً جنت والے ہی کامیاب ہوں گے۔
اللَّهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ! اللَّهُمَّ اذْخِلْنَا الْجَنَّةَ مَعَ الْأَمْرَارِ! اللَّهُمَّ أَجِزْنَا مِنَ النَّارِ، يَا مُحْيِيُّ يَا مُحْيِيُّ يَا مُحْيِيُّ!

آیت ﴿لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاسِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ﴾ ”اگر ہم اس قرآن کو اتاردیتے کسی پہاڑ پر تو تم دیکھتے کہ وہ دب جاتا اور پھٹ جاتا اللہ کے خوف سے۔“

یہ قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے۔ اس موضوع کے حوالے سے یہاں یہ اہم نکتہ بھی سمجھ لیجیے کہ قرآن مجید کی عظمت اور قرآن مجید کی افادیت دو الگ الگ موضوعات ہیں، ان دو موضوعات کو آپس میں گذہ نہیں کرنا چاہیے۔ جہاں تک قرآن مجید کی افادیت کا تعلق ہے، قرآن کی متعدد آیات اس حوالے سے ہماری راہنمائی کرتی ہیں، لیکن سورہ یونس کی یہ دو آیات اس لحاظ سے خصوصی اہمیت کی حامل ہیں:

»يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتُكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُوْمِنِينَ ﴿٥٤﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلَيَفْرُ霍ُوا هُوَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمِعُونَ ﴿٥٥﴾

”اے لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے

سینوں (کے امراض) کی شفا اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور (بہت بڑی) رحمت۔ (اے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے، تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں! وہ کہیں بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“

یہ تو قرآن مجید کی افادیت کا ذکر ہے، لیکن قرآن مجید فی نفسہ کیا ہے؟ انسان کا محدود ذہن اس موضوع کو کما حقہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی عظمت کے تصور کو انسانی ذہن کے لیے کسی حد تک قابل فہم بنانے کے لیے آیت زیر مطالعہ میں ایک تمثیل بیان کی گئی ہے۔ اس تمثیل کو سمجھنے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر پیش آنے والے واقعہ کی یاد دہانی ضروری ہے۔ یہ واقعہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۲۳ میں بیان ہوا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب چالیس راتوں کے لیے کوہ طور پر گئے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: ﴿رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ ط﴾ کہ اے میرے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھا، میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ ﴿قَالَ لَنْ تَرَنِي﴾ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ ﴿وَلِكِنْ ا�ْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ﴾ البتہ تم اس پہاڑ کو دیکھو، میں اپنی تخلی اس پر ڈالوں گا۔ ﴿فَإِنِ اسْتَقَرَ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَنِي﴾ تو اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ قائم رہ سکا تو پھر تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ ﴿فَلَمَّا تَجَلَّ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ﴾ پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر ایک تخلی ڈالی، یعنی نور کا پرتو جب پہاڑ پر ڈالو تو ﴿جَعَلَهُ دَكَّا﴾ اس نے اس پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیا۔ ﴿وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا﴾ (الاعراف: ۱۲۳)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بالواسطہ تخلی کے مشاہدہ کی تاب نہ لاتے ہوئے بے ہوش کر گر پڑے۔ اس واقعہ کے ساتھ آیت زیر مطالعہ میں بیان کی گئی تمثیل کی گہری مماثلت ہے۔ دونوں میں فرق صرف یہ ہے کہ کوہ طور پر ”تخلی ذات“ کا معاملہ تھا اور یہاں اس تمثیل میں ”تخلی صفات“ کا ذکر ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کلام اپنے متکلم کی صفت ہوتا ہے۔ اس لیے جو تاثیر ذات باری تعالیٰ کی تخلی کی ہے عین وہی تاثیر کلام اللہ کی تخلی کی ہے۔ علامہ اقبال اپنے انداز میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان یوں کرتے ہیں:—

فاش گویم آنچہ در دل مضراست ایں کتابے غیست چیزے دیگر است!
کہ اگر میں اپنے دل کی بات کرو یہ کہوں گا کہ قرآن مجید محض ایک کتاب نہیں ہے بلکہ کوئی اور
ماہنامہ میثاق = (19) فروری 2022ء

ہی چیز ہے۔ کیا چیز ہے؟ اس کی مزید وضاحت علامہ یوں کرتے ہیں:

مثلِ حق پہاں و ہم پیدا ست ایں زندہ و پائندہ و گویا ست ایں!
یعنی یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفات کا حامل ہے اور اس حیثیت میں یہ پوشیدہ بھی ہے اور عیاں بھی۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا بھی ہے اور گویا (بولتا ہوا) بھی۔ قرآن حکیم کی عظمت کے حوالے سے سورۃ الواقعہ کی آیت ﴿لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمُظَهَّرُونَ﴾ کی تشریح کے تحت یہ نکتہ بھی زیر بحث آچکا ہے کہ قرآن مجید کی حقیقی معرفت، اصل ہدایت اور روح باطنی تک رسائی کے لیے انسان کے باطن کا پاک ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے باطن کا تجزیہ کیے بغیر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرے گا تو وہ صرف اس کی عبارت اور لغت کے ظاہری مطالب و معانی تک ہی رسائی حاصل کر پائے گا۔

﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ﴿۲۱﴾ ”اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور کریں۔“

اب وہ تین عظیم آیات آ رہی ہیں جن کا ذکر اس رکوع کے آغاز میں اسمائے حُسنی کے حوالے سے ہوا تھا۔ واضح رہے کہ صفات باری تعالیٰ کے موضوع پر سورۃ الحمد کی پہلی چھٹی آیات قرآن مجید کے ذرۂ سنا م کا درجہ رکھتی ہیں۔ (عربی میں اونٹ کی کوہاں کو سنا م اور کسی چیز کی چوٹی یا بلند ترین حصے کو ذرۂ زرہ/ذرۂ کھڑتے ہیں۔ چنانچہ ذرۂ سنا م کا مطلب ہے کوہاں کی بھی چوٹی۔ یعنی سب سے اونچا مقام یا کسی چیز کا نمایاں ترین حصہ!) جبکہ اسمائے حُسنی کے ذکر کے اعتبار سے سورۃ الحشر کی آخری تین آیات پورے قرآن میں منفرد و ممتاز مقام کی حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے حوالے سے یہاں ”ایمانِ محمل“ کے یہ الفاظ بھی اپنے حافظے میں تازہ کر لیں: آمنَتْ بِاللَّهِ كَمَا هُوَ بِإِسْمَائِهِ وَصِفَاتِهِ وَقِيلَتْ جَمِيعَ أَخْكَامِهِ یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات کے ساتھ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے تمام احکام کے سامنے سرِ تسليم ختم کرتے ہیں۔ آیت ﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ ”وہی ہے اللہ، جس کے سوا کوئی معبد برحق نہیں۔“

﴿عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ ”وہ جاننے والا ہے چھپے کا اور کھلے کا۔“

یہ پورا مرکب اللہ تعالیٰ کے ایک اسم پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے بھی جانتا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور اُسے بھی جو ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی سمجھو لیجیے کہ قرآن میں ماهنامہ میثاق فروری 2022ء

جہاں اللہ کے لیے غیب اور شہادۃ کے الفاظ آتے ہیں، وہ ہم انسانوں کے لیے ہیں۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے لیے توسیب شہادہ ہی شہادہ ہے، اُس کے لیے تو کوئی چیز بھی غیب نہیں۔ ہم انسانوں کے لیے کچھ چیزیں تو وہ ہیں جنہیں ہم اپنے حواسِ خمسہ سے محسوس کر سکتے ہیں۔ ایسی تمام اشیاء ہمارے لیے ”ظاہر“ (الشَّهَادَة) کے زمرے میں آتی ہیں۔ مثلاً اگر کسی چیز کو ہم مائیکرو سکوپ یا ٹیلی سکوپ سے بھی دیکھ لیں تو اس کی حیثیت بھی ہمارے لیے ”ظاہر“ ہی کی ہے۔ دوسری طرف کچھ ایسے حقائق ہیں جنہیں ہم سے چھپا دیا گیا ہے، انہیں ہم کسی طرح بھی اپنے حواس کے احاطہ میں نہیں لاسکتے۔ ایسی سب چیزیں ہمارے لیے غیب کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات، فرشتے، جنت، دوزخ، عالم، آخرت وغیرہ سب ہمارے لیے غیب ہیں۔ یہ مضمون سورۃ الحجۃ میں دوبارہ واضح تر انداز میں آئے گا۔

﴿هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ ۲۲ ”وَ بَهْتَ رَحْمَمْ كَرْنَ وَ الْأَنْهَى يَتْ مَهْرَبَانْ ہے۔“
سورۃ الفاتحہ کی دوسری آیت ان ہی دو اسمائے حسنی پر مشتمل ہے۔ لغوی اور اشتراقی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو متعلقہ آیت کی تشریح۔

آیت ۲۳ **﴿هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾** ”وَهِيَ ہے اللہ جس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔“
﴿الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيِّمُ الْعَزِيزُ الْجَبَارُ الْمُتَكَبِّرُ﴾
”حقیقی بادشاہ، یکسر پاک، سراپا سلامتی (اور ہر اعتبار سے سالم)، امن دینے والا، پناہ میں لینے والا، زبردست (مطلق العنوان)، اپنا حکم بزور نافذ کرنے والا، سب بڑائیوں کا مالک۔“
﴿سُبْحَنَ اللَّهُ عَمَّا يُشَرِّكُونَ﴾ ۲۴ ”اللہ پاک ہے اُن تمام چیزوں سے جو یہ شرک کرتے ہیں۔“

اس ایک آیت میں آٹھ اسمائے حسنی مسلسل، بغیر حرف ”و“ کے آئے ہیں اور اس لحاظ سے یہ آیت پورے قرآن مجید میں منفرد ہے۔

آیت ۲۵ **﴿هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾** ”وَهِيَ ہے اللہ، تخلیق کا منصوبہ بنانے والا، وجود بخشنے والا، صورت گری کرنے والا۔“

اس آیت میں (اللہ کے علاوہ) تین اسمائے حسنی آئے ہیں۔ ان تینوں اسماء کا تعلق تخلیقی عمل کے مختلف مراحل سے ہے اور اس لحاظ سے یہاں ان کا ذکر ایک فطری اور منطقی ترتیب سے ہوا
ماہنامہ میثاق فروری 2022ء

ہے۔ ”خلق“، دراصل عملِ تخلیق کا وہ مرحلہ ہے جب کسی چیز کا منصوبہ یا نقشہ تیار ہوتا ہے۔ بغرض تفہیم اگر ہم انسانوں پر قیاس کرتے ہوئے ایک بڑھتی کی مثال سامنے رکھیں تو عملِ تخلیق کے مختلف مراحل اور ان تینوں اسماء کے مابین پائے جانے والے خاص ربط کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ فرض کریں کہ بڑھتی ایک میز بنانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے سب سے پہلے وہ مطلوبہ سائز اور مطلوبہ شکل کی میز کا ایک نقشہ اپنے ذہن میں تیار کرتا ہے۔ یہ اس میز کی ذہنی تخلیق ہے۔ اس کے بعد بڑھتی مجوزہ نقشے کے مطابق لکڑی کا میز بنایا کر اپنی ”ذہنی تخلیق“، کو عالمِ واقعہ میں ظاہر کر دیتا ہے۔ پھر تیرے اور آخری مرحلے میں وہ اسے finishing touches دیتے ہوئے رنگ و روغن کر کے میز کو حتمی طور پر تیار کر دیتا ہے۔

مذکورہ بالاتینوں اسمائے حُسنی کا تعلق تخلیق کے ان ہی تین مراحل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کا ایک نقشہ یا نمونہ تیار فرماتا ہے۔ اس مفہوم میں وہ الخالق ہے، پھر وہ اس تخلیق کو عدم سے عالمِ وجود میں ظاہر کرتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ الباری ہے۔ (بَرَأَ کے معنی ظاہر کرنے کے ہیں۔ سورۃ الحدید کی آیت ۲۲ میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿مَنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا﴾ ”اس سے پہلے کہ ہم اسے ظاہر کریں۔“) اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق کو با قاعدہ ایک صورت یا شکل عطا کرتا ہے۔ اس معنی میں وہ ”المُصَوِّر“ ہے۔

﴿لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ط﴾ ”تمام اچھے نام اُسی کے ہیں۔“
 ﴿يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”اُسی کی تسبیح کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔“

﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۚ﴾ ”اور وہ بہت زبردست ہے، کمال حکمت والا۔“ اس سورت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے آغاز میں بھی اللہ کی تسبیح کا بیان ہے اور اس کا اختتام بھی اللہ کی تسبیح پر ہوتا ہے۔ آغاز میں تسبیح کے حوالے سے ماضی کا صیغہ (سَبَّحَ) آیا ہے جبکہ اختتام پر مضارع کا صیغہ (يُسَبِّحُ) ہے۔ اسی طرح اس کی ابتدائی آیت کے اختتام پر جو دو اسمائے حُسنی (الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) آئے ہیں، آخری آیت کا اختتام بھی ان ہی اسمائے حُسنی پر ہوتا ہے۔



آخری صلیبی جنگ

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

۲ ستمبر ۲۰۰۵ء کا خطاب جمعہ

نحمدہ و نصلی علی رَسُولِہ الکریم ... امّا بعده:

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ مَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ طَ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ طَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّلِيمِينَ ﴾ (۵۰) (المائدة)

آج مجھے آخری صلیبی جنگ کے موضوع پر گفتگو کرنی ہے۔ یہ موضوع انتہائی اہم بھی ہے اور اس میں ہمارے لیے غور و فکر کا بہت سا سامان بھی موجود ہے۔

گفتگو کے آغاز میں چند بنیادی باتوں کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ یہ اصطلاح یعنی ”آخری صلیبی جنگ“، میری نہیں ہے، بلکہ عیسائیوں کے ایک فرقے Baptists کی ہے، جو کہ پروٹسٹنٹ عیسائی ہیں اور ان میں سے بھی جو اخص الخواص ”Evangelists“ ہیں، ان کے میگزین ”فلاڈلفیا ٹرمپٹ“ میں ”The Last Crusade“ کے عنوان سے جیرالڈ فلری کا ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔

اس مقالے کا ایک اقتباس کچھ یوں ہے:

"Most people think the crusades are a thing of the past-over forever. But they are wrong. Preparations are being made for a final crusade, and it will be the bloodiest of all!"

”بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ صلیبی جنگیں ماضی کی بات ہے اور ختم ہو چکی ہیں،

لیکن ان کی یہ رائے درست نہیں ہے۔ آخری صلیبی جنگ کے لیے تیاریاں جاری ہیں اور یہ انتہائی خونی جنگ ہوگی۔“

اس مضمون کو واضح طور پر سمجھنے کے لیے ہمیں تاریخ انسانی کو تین ادوار میں تقسیم کرنا ہوگا:

۱) پہلا ملینیم: ۳۰۰ء سے ۱۰۰۰ء تک

۲) دوسرا ملینیم: ۱۰۰۱ء سے ۱۹۹۹ء تک

۳) تیسرا ملینیم: ۲۰۰۰ء سے آب تک (جاری)

یہاں پر یہ واضح رہے کہ ”ملینیم“ کی اصطلاح جو عیسائی اور یہودی استعمال کرتے ہیں، وہ آسمانی کتابوں کے عین مطابق ہے۔ قرآن مجید میں دوبار ارشاد ہوا کہ ”اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہزار برس پر محیط ہے۔“ سورۃ الحجج میں الفاظ آئے ہیں:

﴿وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَالْفِسَنَةِ هِمَّا تَعْدُونَ ﴾④﴾

”اور ایک دن تمہارے رب کے یہاں ہزار برس کے برابر ہوتا ہے جو تم گنتے ہو۔“

اسی طرح سورۃ السجدة میں ارشاد ہوا:

﴿يُدِبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَااءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ هِمَّا تَعْدُونَ ﴾⑤﴾

”وہ تدبیر سے اُتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک، پھر چڑھتا ہے وہ کام اُس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں۔“

پہلے ملینیم کے آغاز پر صورت حال یہ تھی کہ یروشلم جو کہ یہودیوں کا شہر تھا اور یہاں وہ ایک عرصے سے آباد تھے، یہیں پران کا ہیکل سلیمانی (Solomon's Temple) بھی تھا، جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا اور ۷۵۸ قم میں اسے عراقی بادشاہ بخت نصر (Nebukadnezar) نے منہدم کر دیا تھا اور اس کی ایښٹ سے ایښٹ بجادی تھی۔ اسے انہوں نے دوبارہ تعمیر کیا تھا، لیکن ۷۰ء میں طیطس (Titus) نامی ایک رومی جرنیل نے حملہ کیا جس میں یہودیوں کو بڑی خوفناک شکست ہوئی۔ اس قدر خون ریزی ہوئی کہ طیطس رومی نے صرف ایک دن میں کم و بیش ایک لاکھ تینتیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور جو ”ہیکل ثانی“، انہوں نے تعمیر کیا تھا وہ بھی مسماਰ کر دیا۔ یہودیوں کے نزدیک ہیکل سلیمانی

کی وہی اہمیت ہے جو ہمارے نزدیک کعبہ کی ہے اور آج ۱۹۳۵ برس ہونے کو آئے ہیں لیکن ان کا یہ کعبہ اب تک گرا پڑا ہے۔ ٹائٹس رومی کے ہاتھوں قتل عام کے بعد جو یہودی فتح گئے انہیں فلسطین کے علاقے سے نکال دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس کے جہاں سینگ سمائے چلا گیا اور یروشلم یہودیوں سے ٹکّی طور پر خالی ہو گیا۔ فلسطین سے اخلاق کے اس دور کو یہودی بجا طور پر اپنا ”دورِ انتشار“ (Diaspora) کہتے ہیں۔

اس واقعہ کے تقریباً ۶۰۰ برس بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی فتوحات کا جو سلسلہ شروع ہوا، اُسی میں مسلمانوں نے یروشلم پر بھی حملہ کیا، جو اُس وقت عیسائیوں کے قبضہ میں تھا۔ اس شہر کی فصیلیں بے انتہا اونچی تھیں اور اندر راشن بھی وافر مقدار میں موجود تھا۔ چنانچہ عیسائیوں نے فصیلیوں کے دروازے مغلق کر دیے اور خود اندر محصور ہو گئے۔ نتیجتاً ایک طویل محاصرے کے بعد بھی مسلمانوں کو کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اسی دوران عیسائیوں کے چند بڑے عالم فصیل پر آئے اور مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ ”تم ہزار برس تک بھی یہاں پڑے رہو گے تو بھی تمہارے ہاتھ پر یہ شہر فتح نہیں ہو گا۔ ہاں ہماری کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اسے ایک درویش بادشاہ کے ہاتھوں فتح ہونا ہے، لیکن تمہارے درمیان وہ درویش بادشاہ نظر نہیں آ رہا“۔ اس بات کا پس منظر سمجھ لیجئے۔ اسلام کا اولین دور مسلمانوں کے لیے غربت اور افلاس کا دور تھا۔ بعد ازاں فتوحات کے نتیجے میں جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا اُس سے حالات بہتر ہونا شروع ہو گئے تھے اور اب انہوں نے شامیوں کے سے انداز میں اچھا باب استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ مسلمان کافی عرصہ سے شام میں تھے لہذا شامی تہذیب کا اثر ان کے رہنمی میں نمایاں نظر آ رہا تھا۔

عیسائی عالموں کی بات سے امیر لشکر حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ (جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں امینُ هذِهِ الْأُمَّةِ کا لقب ملا تھا) کو خیال ہوا کہ ان کا اشارہ یقیناً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ لہذا محادِ جنگ سے حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک درخواست روانہ کی گئی کہ اگر آپ خود تشریف لا سمجھے گے تو یروشلم بغیر لڑائی کے فتح

ہو جائے گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ خود یروشلم روانہ ہوئے۔ یہ وہی تاریخی سفر ہے جو اسلامی تاریخ کا ایک انتہائی روشن باب ہے۔ اس سفر میں صرف ایک سواری (اونٹ) تھی۔ راستے کے لیے راشن بھی اسی پر لدا ہوا تھا۔ لہذا ایک وقت میں ایک آدمی، ہی اُس پر بیٹھ سکتا تھا۔ اندر یہ حالات ایک منزل میں خلیفہ سواری کے اوپر تشریف فرماتے ہوتے اور آپؐ کا خادم نکیل ہاتھ میں پکڑے آگے چلتا، اگلی منزل پر خادم سواری کے اوپر بیٹھتا اور خلیفہ وقت نکیل تھا میں آگے چل رہے ہوتے۔ مساوات کا یہ عملی نمونہ تاریخ انسانی نے کم کم ہی دیکھا ہوگا۔ جب آخری منزل شروع ہوئی تو اتفاق سے سواری پر بیٹھنے کی باری خادم کی تھی۔ اُس نے بہت اصرار کیا کہ آپؐ اونٹ پر بیٹھ جائیے، لوگ کیا کہیں گے، لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نہیں، باری تمہاری ہے، لہذا تمہیں ہی اونٹ پر بیٹھنا ہوگا۔ لہذا جب یروشلم میں داخل ہوئے تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ خلیفہ وقت جس کے نام سے قیصر و کسری کے ایوان کا نپتے تھے، اس شان سے چلے آ رہے ہیں کہ ایک ہاتھ میں اونٹ کی نکیل ہے اور دوسرے ہاتھ میں اپنے جوتے پکڑے ہوئے ہیں، جبکہ خادم سواری کے اوپر بیٹھا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے آپؐ کا استقبال کیا اور اسی طرح سیدھے آپؐ کو فصیل کے قریب لے گئے اور عیسائیوں کو پکار کر کہا کہ یہ ہیں ہمارے خلیفہ! عیسائیوں نے اپنی کتابوں کے مطابق جونشانیاں ملائیں تو اس بات پر صاد کیا کہ یہی وہ بادشاہ ہیں جن کے ہاتھ پر یہ شہر فتح ہونا ہے۔ لہذا فصیل کے دروازے کھول دیے گئے۔ مسلمان افواج اندر داخل ہو گئیں اور یروشلم بغیر کسی لڑائی کے مسلمانوں نے فتح کر لیا۔

اس موقع پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کے وقت عیسائیوں کا یہ مطالبہ مان لیا گیا کہ یہودیوں کو یروشلم میں آباد ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ طرف مادیا کہ یروشلم یہودیوں کے لیے کھلاشہر (open city) تو ہو گا تاکہ وہ یہاں آ کر اپنے مقدس مقامات کی زیارت کریں، لیکن نہ تو وہ یہاں آباد ہو سکیں گے اور نہ ہی کوئی جائیداد وغیرہ خرید سکیں گے۔ یہ تھے وہ اہم واقعات اور حالات جو پہلے ملینیم کے دوران پیش آئے۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم پہلے ملینیم کے اختتام پر اُس واقعہ کی طرف بڑھتے ہیں جو کہ انتہائی اہم ہے، اور وہ واقعہ تھا پورے عالم عیسائیت کا اتحاد۔ اس واقعہ سے پیشتر عیسائی دنیا کئی سو برس سے دو حصوں میں منقسم تھی۔ مذہبی اعتبار سے اٹلی، فرانس، جرمی، پسین اور انگلستان کے علاقوں پر مشتمل عیسائیت مغربی عیسائیت کہلاتی تھی، جس کا سربراہ پپ تھا اور اس کا صدر مقام روم (رومہ اکبری) تھا۔ اس کے برعکس دوسرا حصہ جو جنوب مشرقی یورپ اور مشرقی یورپ کے عیسائی ممالک پر مشتمل تھا۔ یہاں کی عیسائیت مشرقی عیسائیت کہلاتی تھی۔ اس کا صدر مقام قسطنطینیہ (Constantinople) تھا۔ دونوں حصوں کے اتحاد کے بعد پپ کو عیسائی دنیا کے مرکزی رہنمایی کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ دوسرے ملینیم کے شروع ہونے کے ٹھیک ۹۵۰ برس بعد یعنی ۲۰ نومبر ۱۰۹۵ء کو اُس وقت کے پپ اربن ثانی (Urban-II) نے فرانس کے شہر Clermont میں ایک انتہائی اہم خطاب کیا، جس میں اُس نے یہ بات زور دے کر کہی کہ ”ہمارا یہ اہم ترین مذہبی فریضہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جہاد کریں اور ان سے اپنے مقدس مقامات چھپیں لیں۔“ پہلے ملینیم کے اختتام پر فلسطین اور شام کے علاقے بشمول یروشلم مسلمانوں کے قبضہ میں تھے۔ اس علاقے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ:

Too small a geography but too big a history.

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس علاقے میں تینوں ابراہیمی مذاہب یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے مقدس مقامات ہیں۔ اسی اہمیت کی وجہ سے یہاں تصادم بھی بڑا شدید ہوا۔

پپ اربن ثانی کی مذکورہ بالاقریر سے عیسائی دنیا میں ایک آگ لگ گئی۔ چنانچہ پورے یورپ پر مشتمل ایک بہت بڑی فوج تیار کی گئی، جس میں قائدانہ کردار فرانس اور جرمی کا تھا۔ عیسائیوں نے مسلمانوں پر حملہ شروع کر دیے اور اس طرح باقاعدہ طور پر جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اس جنگ کا سلسلہ ۱۰۹۱ء سے ۱۲۹۱ء تک تقریباً ۱۹۳ برس جاری رہا۔ — جنگ (war) اور لڑائی (battle) میں بنیادی فرق یہ ہے کہ ایک جنگ کئی لڑائیوں پر مشتمل ہو سکتی ہے۔ یعنی جنگ تو مسلسل جاری رہتی ہے، اس کے اندر بے شمار

لڑائیاں اور معرکے ہوتے رہتے ہیں، کبھی ایک مقام پر اور کبھی دوسرے مقام پر۔ عام طور پر ہم جنگ کا لفظ بھی لڑائی کے معنی میں استعمال کر لیتے ہیں۔ بہر حال اس طویل جنگ کے دوران سینکڑوں لڑائیاں (battles) ہوئیں، لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ بڑی بڑی جنگیں بھی ۹ یا ۱۳ کی تعداد میں ہوئیں۔ ان جنگوں کو عیساییوں نے صلیبی جنگوں (The Crusades) کا نام دیا تھا۔

صلیبی جنگوں کو ہم تین ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا دور ۱۰۹۶ء سے ۱۱۲۲ء تک کے عرصے پر محیط ہے۔ اس دور میں عیساییوں کا جوش و خروش دیدنی تھا، کیونکہ انہیں بتایا گیا تھا کہ اگر اس مقدس جنگ میں تمہاری جان بھی چلی گئی تو تم سید ہے جنت میں جاؤ گے اور تمہارے تمام گناہ بھی معاف کر دیے جائیں گے۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ جہاد کے ضمن میں آج مسلمانوں کو جس طرح بدنام کیا جا رہا ہے، اس سے کہیں زیادہ قابلِ نہدست ”جہاد“ کا وہ نعرہ تھا جو پوپ اربن ثانی نے ۱۰۹۵ء میں لگایا تھا۔ بہر حال لاکھوں کی تعداد میں عیسائی افواج ایشیا کی طرف روانہ ہوئیں۔ راستے میں جو بھی بستیاں آئیں وہ لوٹ لی گئیں۔ یہاں یہ بات بھی نوٹ رکھیے کہ عیساییوں کا اصل ہدف تودہ مسلمان تھے جن کے علاقوں میں ان کے مقدس مقامات تھے۔ ان علاقوں کو مسلمانوں سے بازیاب اور واگزار کرانا ان کا ہدف تھا، لیکن ساتھ ہی عیساییوں کو یہودیوں پر بھی بے پناہ غصہ تھا، جو حضرت مسیح علیہ السلام کو، نعوذ باللہ، ولد الزنا، جادوگ اور شعبدہ باز کہتے تھے۔ چنانچہ اندازہ کیجیے کہ ان کے بارے میں عیساییوں کے غیظ و غضب کا کیا عالم ہوگا جو حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا، الوہیت میں شریک بلکہ خدا تک مانتے ہیں! بہر حال ان لڑائیوں میں جہاں مسلمانوں کو شدید نقصان اٹھانا پڑا وہاں آن گنت یہودی بھی مارے گئے۔ جو یہودی بستی بھی راستے میں آئی، لوٹ لی گئی اور وہاں قتل و غارت کا بازار خوب گرم ہوا۔ گویا اس صلیبی جنگ میں مسلمان اور یہودی زیر عتاب (persecuted) ہونے کے اعتبار سے یکجا (bracketted) تھے۔

جب یہ واقعات پیش آ رہے تھے، عالم اسلام پر اُس وقت بنو عباس کی حکومت مانہنامہ میثاق (28) فروری 2022ء

تھی۔ یہ اگرچہ قانونی طور پر مرکزی حکومت کھلاتی تھی، لیکن بنو عباس اُس وقت کافی کمزور ہو چکے تھے۔ ان کی سلطنت کے اندر کئی چھوٹے چھوٹے حکمران پیدا ہو چکے تھے۔ کہیں سلجوقی، کہیں برابر، کہیں ممالیک اور کہیں کوئی اور تھے، اور سب کی اپنی خود مختار حکومتیں تھیں۔ عباسی خلیفہ تو بس ایک علامت (symbol) تھا جس کی آشیرباد حاصل کر کے وہ اپنی حکومت کے لیے سندِ جواز لیتے تھے۔ ان حالات میں مسلمان کمزوری کی بنا پر اپنا دفاع کرنے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھے، نتیجتاً ان کے خلاف عیسائیوں کو بے شمار فتوحات حاصل ہوئیں۔ بحیرہ روم (Mediterranean) کے ساحلی علاقوں میں، جن میں شام، فلسطین اور مصر بھی شامل تھے، عیسائیوں نے زبردست لوٹ مارا اور قتل و غارت کا بازار گرم کیا اور ان علاقوں کو فتح کر کے چار آزاد عیسائی ریاستیں قائم کیں۔

ان جنگوں کا دوسرا دور ۱۱۲۳ء سے ۱۱۹۶ء تک کے عرصے پر محیط ہے۔ اس دور میں مسلمانوں کے اندر کچھ ہمت پیدا ہوئی۔ اسی دوران میں مسلمانوں میں ایک بہت بڑے مجاہد اور غازی سلطان صلاح الدین ایوبی عیسائیوں کے مقابلے میں آئے اور ۱۱۸۷ء میں انہوں نے صلیبیوں کو شکست دے کر انہیں یروشلم سے نکالا اور وہاں اسلامی حکومت قائم کر دی۔ یروشلم صلیبی جنگ کے پہلے دور (۱۰۹۹ء) میں عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۸۸ برس بعد اسے واگزار کروا یا۔ اسی دوران میں مسلمانوں نے اپنے کچھ مزید علاقے بھی بازیاب کروا لیے۔

ان جنگوں کا تیسرا دور ۱۱۹۶ء سے ۱۲۹۱ء کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس عرصے میں عیسائیوں کی طرف سے یروشلم دوبارہ فتح کرنے کے لیے پے در پے کوششیں ہوئیں۔ کبھی جرمنی، کبھی فرانس اور کبھی دیگر یورپی طاقتوں کی طرف سے فوج کشی کی گئی۔ ایک موقع پر رچرڈ شیردل (Richard, the Lion-hearted) جو اُس وقت انگلستان کا بادشاہ تھا، خود فوج لے کر آیا، لیکن اسے بھی سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی اور وہ مجبوراً صلح کر کے واپس چلا گیا۔

اسی دوران میں ایک مرحلے پر سلجوقی بادشاہ الملک کامل کے دور میں صلیبیوں نے مہنماہ میثاق (29) فروری 2022ء

پھر حملہ کیا اور وہ مقابلہ نہ کر سکا، لہذا اُس نے معاہدہ کر کے یروشلم دوبارہ عیسایوں کے حوالے کر دیا۔ اس مرتبہ یروشلم ۱۶ برس تک عیسایوں کے زیر قبضہ رہا۔ گویا ۱۹۳۱ برس کی ان صلیبی لڑائیوں میں ۱۰۲۱ برس تک یروشلم عیسایوں کے قبضہ میں رہا۔ آخر کار مسلمانوں نے اپنے سارے علاقوں دوبارہ بازیاب کر لیے اور ۱۲۹۱ء میں صلیبی جنگ کا یہ دور اختتام پذیر ہوا۔ یہ تھا پہلی صلیبی جنگ کے دوران مختلف لڑائیوں اور معرکوں کا ایک مختصر جائزہ۔

جہاں تک دوسری صلیبی جنگ کا معاملہ ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شروع ہونے والی ہے، لیکن میرے نزدیک یہ پہلی صدی کے اوائل میں شروع ہو چکی ہے۔ گویا اس جنگ کا آغاز ہوئے قریباً سو برس ہو چکے ہیں۔ پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی جس میں ترکی کو شکست ہوئی اور اس کے نتیجے میں عظیم سلطنتِ عثمانیہ کے ٹکڑے کر دیے گئے اور بالآخر خلافتِ عثمانی ۱۹۲۳ء میں کلیئہ ختم ہو گئی۔ اس جنگ کے دوران جب شام فتح ہوا اور اتحادی فوجیں دمشق میں داخل ہوئیں تو جزل ایلن بی نے، جو سلح افواج کی کمان کر رہا تھا، سلطان صلاح الدین ایوبؑ کی قبر کو ٹھوکر مار کر کہا تھا: "Saladin, We are again here!" یعنی ۱۱۸۷ء میں تم نے ہمیں شکست دی تھی اور یہاں سے نکال دیا تھا، لیکن اب ہم دوبارہ آگئے ہیں اور اب دوبارہ یہاں ہمارا قبضہ ہے۔ یہ پہلا دور تھا اس آخری صلیبی جنگ کا جس کو شروع ہوئے قریباً ۹۰۰ برس ہو چکے ہیں۔

جنگ عظیم اول کے دوران ایک بہت بڑی تبدیلی یہ آچکی تھی کہ عیسایوں اور یہودیوں کے درمیان ایک عرصہ سے جاری دشمنی ختم ہو چکی تھی۔ اب ان کے درمیان گہرا گھٹ جوڑ ہو چکا تھا، بلکہ صحیح تر معنوں میں عیسائی یہودیوں کی ریشه دو اندیوں کی وجہ سے اُن کے آلہ کار بن چکے تھے۔ اس دوستی کا نتیجہ ۱۹۱۷ء کے اعلانِ بالفور (Balfour) کی صورت میں سامنے آیا، جس کے مطابق یہودیوں کو یروشلم میں آباد ہونے کا حق حاصل ہو گیا۔ گویا یہ ایک تحفہ تھا جو عیسایوں نے یہودیوں کو دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب یروشلم فتح ہوا تھا تو مسلمان اور عیسایوں کے درمیان ایک معاہدے کی رو سے یہودیوں کو اس بات کی اجازت نہیں تھی مہنامہ میثاق = (30) فروری 2022ء

کہ وہ یروشلم میں آباد ہو سکیں یا وہاں کوئی جائیداد وغیرہ خرید سکیں۔ بعد میں آنے والے تمام مسلمان حکمرانوں نے، خواہ وہ بنو امیہ تھے یا بنو عباس یا عثمانی، اس معاہدے کی پوری طرح پابندی کی، حالانکہ اس دوران میں یہودیوں نے ہر طرح سے کوششیں کیں کہ وہ کسی طریقے سے یروشلم میں آباد ہونے کی اجازت حاصل کر لیں۔ سلطان عبدالحمید خان (عثمانی خلیفہ) کو تو بہت بڑی رشوت پیش کی گئی کہ آپ کے ذمے تمام قرضے معاف کر دیے جائیں گے اور آپ کا خزانہ جو آپ کے پیش روؤں کی فضول خرچیوں کی وجہ سے خالی ہو چکا ہے اسے بھی بھر دیا جائے گا، لیکن عثمانی خلیفہ کا موقف تھا کہ حضرت عمر فاروق رض کے کیسے ہوئے معاہدے میں وہ کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ بہر حال اعلان بالفور کے مطابق یہودیوں کے فلسطین میں آباد ہونے کا راستہ کھل گیا۔ اس کے نتیجہ میں ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی ریاست قائم ہو گئی اور یہودیوں اور عیسائیوں کے گھوڑ پر مہر تصدیق ثبت کر دی گئی۔

عرب ممالک نے اسرائیل کے قیام پر شدید احتجاج کیا جس کے باعث اسی سال عربوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اس جنگ میں عربوں کو شکست ہوئی اور انہیں بے حد نقصان اٹھانا پڑا۔ تقریباً ۱۹۶۷ء میں مصر، شام اور اردن سے اسرائیل کی دوبارہ جنگ ہوئی۔ باوجود اس کے کہ مذکورہ بالاتینوں ممالک اکٹھے ہو کر اسرائیل کے خلاف میدان میں آئے، اس مرتبہ پھر انہیں تباہ کن شکست سے دو چار ہونا پڑا۔ نتیجتاً اسرائیل نے مصر سے جزیرہ نماے سینا، شام سے جولان کی پہاڑیاں اور اردن سے پورا مغربی کنارہ (West Bank) چھین لیا۔ اس ساری صورتِ حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ عرب دن بدن کمزور سے کمزور تر اور اسرائیل مضبوط سے مضبوط تر اور طاقتور ہوتا چلا گیا۔

اس تناظر میں موجودہ صورتِ حال کے مطابق معاملات مختلف سمتوں میں آگے بڑھ رہے ہیں۔ ایک طرف تو پورے یورپ کو یورپی یونین کی شکل میں دوبارہ متحد کیا جا رہا ہے (جیسا پہلی صلیبی جنگ کے دوران ہوا تھا)۔ مزید برآں نیٹو (NATO) کو بھی از سر نو منظم اور وسیع کیا جا رہا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب اس ساری سرگرمی (activity) کا

مقصد کیا ہے؟ USSR تو ختم ہو چکا۔ اس مہم جوئی کا مقصد یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ ”اب ہمیں مسلم فنڈ امنٹلز م سے نہیں ہے!“

اس ساری صورتِ حال میں رومن کیتھولکس تو چاہتے ہیں کہ پورا یورپ متحد ہو کر ایک ملک بنے جس میں ایک خالص عیسائی حکومت قائم ہو اور اس طرح آخری صلیبی جنگ کی طرف پیش قدمی ہو۔ اس ضمن میں عیسایوں کے پیش نظر کیا کیا عزائم ہیں، اس کی ایک چھوٹی سی جھلک آپ کو انڈونیشیا کے جزیرہ مشرقی تیمور کے واقعات میں نظر آجائے گی۔ مشرقی تیمور انڈونیشیا کا بہت بڑا جزیرہ تھا، جہاں عیسایوں کی اکثریت تھی۔ لہذا معمولی سے فساد کا بہانہ بننا کرو ہاں رومن کیتھولک حکومت قائم کر دی گئی۔ اسی بنا پر پروٹسٹنٹ عیسایوں کے ترجمان رسالے "The Philadelphia Trumpet" کا یہ کہنا ہے کہ پوپ جان پال دوم نے یورپ کے اتحاد کی جس طرح کوششیں کی ہیں وہ مقدس سلطنت روما (Holy Roman Empire) کو از سر نو زندہ کرنے کے لیے ہیں تاکہ عیسائی صلیبی جہاد کریں اور حملہ کر کے مشرق وسطی میں واقع عیسایوں کے تمام مقدس مقامات مسلمانوں سے چھین لیں۔

جہاں تک پروٹسٹنٹس کا تعلق ہے وہ یہود کے ساتھ ہیں اور ان کے پیش نظر عظیم تر اسرائیل (Greater Israel) کا قیام ہے، جو فلسطین، عراق، شام، اردن، لبنان کے تمام علاقوں، جزیرہ نما ی سینا، مصر کے جشن کے علاقہ اور دریائے نیل کے ڈیلٹا (زرخیز شہابی علاقہ)، ترکی کے جنوبی حصے اور حجاز مقدس کے شمالی حصے بشمول مدینہ منورہ پر مشتمل ہو۔ جزیرہ نما ی سینا یہود کے لیے بہت مبارک اور متبرک علاقہ ہے۔ اسی میں کوہ طور بھی ہے جہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام متعدد بار اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے اور یہیں انہیں تورات عطا کی گئی۔ مصر کا اکثر و بیشتر علاقہ بالکل بحرا اور صحراء ہے۔ صرف دریائے نیل کے دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ قریباً دس میل ادھر اور دس میل ادھر روئیدگی اور ہر یا ول ہے۔

البتہ شمال میں بحیرہ روم میں گرنے سے پہلے دریائے نیل کی بہت سی شاخیں ہو جاتی ہیں اور یہ ڈیلٹا کا علاقہ بہت زرخیز ہے۔ یہاں پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو آباد مانہنا میثاق

کیا تھا۔ یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے (بنی اسرائیل) اپنے خاندانوں کے ساتھ یہاں آباد ہو گئے اور کئی سو سال میں ان کی تعداد کئی لاکھ ہو گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جب بنی اسرائیل کا مصر سے خروج (Exodus) ہوا اور آل فرعون کو غرق کیا گیا تو اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلنے والے یہودیوں کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ مصر کے جس علاقے میں بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک مقیم رہے، اسے بھی وہ گریٹ اسرائیل میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔

فلسطین میں اہم ترین جگہ Temple Mount ہے۔ یہ ایک پہاڑی سی ہے جس کے اوپر ایک مستطیل بنتی ہے جو کہ چاروں طرف سے اٹھی اور ابھری ہوئی ہموار جگہ ہے اور اس کے اوپر ایک میدان کی شکل بن جاتی ہے۔ اس مستطیل کے اندر مسلمانوں کے دو انتہائی متبرک مقامات ہیں، یعنی جنوبی گوشے میں مسجد القصیٰ اور شمالی گوشے میں قبة الصخرة (Dome of the Rock) ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانی سفر (معراج) شروع ہوا تھا۔ دراصل یہ ایک پہاڑی تھی جس پر اموی خلیفہ عبد الملک بن مروان نے ایک گنبد تعمیر کروادیا تھا۔ مسجد القصیٰ اور قبة الصخرة ۷۱۰ء کی عرب اسرائیل جنگ سے پہلے اردن کے پاس تھے۔ اس وقت اردن کے بادشاہ نے اس گنبد پر ۳۰ سو نئے کی پتڑی چڑھائی تھی۔ اس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کتنا بڑا گنبد ہے۔ اسی وقت یہودی اخبارات نے لکھ دیا تھا کہ جب ہم اس کو گرا کر اپنا تیسرا معبد (Third Temple) تعمیر کریں گے تو یہ سونا اس کی تعمیر میں ہمارے کام آئے گا۔ معبد کی تعمیر کے بعد وہ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کا تخت (Throne of David) لا کر رکھنا چاہتے ہیں جو اس وقت لندن میں پارلیمنٹ سے ملحق گرجا (ویسٹ مسٹر ایبے) میں موجود ہے۔ اس تخت پر حضرت داؤد علیہ السلام اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تاج پوشی ہوئی تھی۔

یہ وہ نکات ہیں جو عیسائیوں اور یہودیوں کے مابین متفق علیہ ہیں۔ البتہ عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق جب مذکورہ بالا کام ہو جائیں گے تو حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے اور اس تخت پر بیٹھ کر حکومت کریں گے۔ اس کے برعکس یہودیوں کے عقیدہ کے ماننا میثاق (33) فروری 2022ء

مطابق ان کا ”میسایاھ“ (Messiah) جس کے وہ اب تک منتظر ہیں، جب آئے گا تو پورے کرہ ارض پر اس کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ اس ضمن میں جو پیشین گوئیاں تورات میں تھیں ان کے مصدق حضرت مسیح علیہ السلام تھے، لیکن جب وہ آئے تو یہودیوں نے انہیں تسلیم نہیں کیا بلکہ، نعوذ باللہ، انہیں ولد الزنا، جادوگر اور کافر و مرتد قرار دے کر اپنے بس پڑتے سوی پر چڑھا دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ یہودیوں کے مذکورہ بالا پروگرام کو پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی مکمل حمایت حاصل ہے۔

خاص طور پر Baptists اور ان میں سے بھی بالخصوص Evangelists اس مشن میں یہود کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں۔ بلی گرا ہم ان کا ایک بہت بڑا مبلغ اور اپر و واائز رہا، جو خدا کا سفیر (Ambassador of God) کہلاتا تھا۔ سابقہ امریکی صدر بیش سینسراں کا مرید تھا، اور اس وقت موجودہ امریکی صدر بیش جونیئر اس بلی گرا ہم کے بیٹے (فرینکن گرا ہم) کا مرید ہے۔ یہ Evangelists اس وقت پروٹسٹنٹ عیسائیوں میں سب سے زیادہ فعال اور بابل کی نشر و اشاعت اور تشرح و توضیح کرنے والے ہیں۔ ان کے بعض شعلہ بیان مقررین نے اپنے ریڈ یو اور ٹی وی کے ذاتی چینلز کا وسیع جال پھیلا�ا ہوا ہے۔ یہ رسالہ The Philadelphia Trumpet ان کا ترجمان رسالہ ہے۔ یہ رسالہ

پوپ جان پال دوم کے بارے میں لکھتا تھا کہ یہ شیطان ہے جو کرو سید کی تیاری کر رہا ہے۔ یہ ہے وہ آخری صلیبی جنگ جس کے لیے بساط بچھائی جا رہی ہے اور اس کی خبریں دی ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رومی (عیسائی) تم پر آئی علم لے کر حملہ آور ہوں گے اور ان میں ہر علم کے نیچے بارہ ہزار فوجی ہوں گے۔ یہ امر انتہائی اہمیت اور دلچسپی کا حامل ہے کہ موجودہ دور میں ایک ڈویژن آرمی بارہ ہزار فوجیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ گویا ۸۰ ڈویژن فوج سے حملہ ہو گا جس کے لیے تیاریاں جاری ہیں۔

پہلی صلیبی جنگوں میں عیسائی ایک طرف تھے اور ان کا نشانہ مسلمان اور یہودی تھے، لیکن اب عیسائی اور یہودی ایک ہوں گے اور ان کا نشانہ مسلمان ہوں گے۔ مسلمانوں کو بہت شدید جانی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس کی خبریں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہیں۔

آپ ﷺ نے اس جنگ (المَلَحَّمَةُ الْعَظِيمُ) کے بارے میں بتایا کہ ایک بات کے اگر ۱۰۰ بیٹھے ہوں گے تو ۹۹ ہلاک ہو جائیں گے، صرف ایک بچے گا۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اتنی لاشیں گریں گی کہ پوری زمین پٹ جائے گی۔ ایک پرندہ مسلسل اڑتا چلا جائے گا لیکن اسے زمین پر بیٹھنے کے لیے خالی جگہ نہیں ملے گی۔ یہ ہے تباہی کا وہ نقشہ جو آخری صلیبی جنگ کے نتیجے میں سامنے آئے گا!

یہ جنگ اصلاً پچھلی صدی کے اوائل میں شروع ہوئی ہے۔ آج جو صورت حال ہمارے سامنے ہے اس کے مطابق یہودیت اور عیسائیت یک جان ہیں، بلکہ عیسائی یہودیوں کے آله کا رب چکے ہیں۔ اُمت مسلمہ انتشار کا شکار ہے۔ وحدتِ ملی کہیں نظر نہیں آ رہی۔ اس سارے تناظر میں مسلمان حکمرانوں کا کردار انتہائی مایوس کن بلکہ شرمناک ہے۔ خواہ وہ وردی والے ہوں یا بغیر وردی کے سب کے سب مغربی تہذیب کے دلدادہ اور امریکہ کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کی اس کمزوری کی بنا پر امریکہ کا ان پر شدید دباؤ ہے کہ اسرائیل کو تسلیم کیا جائے۔ محسوس یہی ہو رہا ہے کہ اس مطالبے پر بالآخر سر تسلیم ختم ہو جائے گا۔ استنبول میں پاکستانی وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری اور اسرائیلی وزیر خارجہ شلوم کی طے شدہ ملاقات اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ یہودیوں کے توسعی پسندانہ عزائم کسی سے مخفی نہیں ہیں۔ وہ ایک طرف مسلم ممالک پر قبضہ جمانے اور گریٹر اسرائیل کے قیام کے خواب دیکھ رہے ہیں جبکہ دوسری طرف مسلمانوں کے مقدس مقامات قبة الصخرۃ اور مسجد القصی کو منہدم کر کے اپنے تیسرے معبد کی تعمیر کے منصوبے بن رہے ہیں۔ قبة الصخرۃ یا مسجد القصی کے انهدام پر عرب نوجوانوں کے اندر انتہائی جوش و خروش پیدا ہو جائے گا اور وہ بلبلہ کرائھیں گے۔ اس کے نتیجے میں پہلے تو خود امریکہ کے ایجنسٹ مسلم حکمران ان کی سرکوبی کریں گے، جیسے آج ”القاعدۃ“ کا نام دے کر پوری مسلم دنیا میں مجاہدین کا قلع قمع کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس کے بعد انتہائی خوفناک جنگ ہو گی جس میں شدید خون ریزی ہو گی۔ اس میں مسلمان ایک طرف ہوں گے اور یہود و نصاری دوسری طرف۔

قرآن مجید میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں جو آیات آئی ہیں، ان میں دو مقامات پر بظاہر تضاد نظر آتا ہے۔ یہ دونوں مقامات سورۃ المائدۃ میں ہیں۔ ایک مقام پر فرمایا گیا:

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ أَمْنُوا إِلَيْهُودَ وَالَّذِينَ
أَشْرَكُوا جَوَاجَ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِّلَّذِينَ أَمْنُوا إِلَيْهِنَّ قَالُوا
إِنَّا نَظَرَىٰ طَذْلِكَ بِإِنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَآثَمُهُمْ لَا
يَسْتَكْبِرُونَ﴾ (۷)

”تم اہل ایمان کی عداوت میں شدید ترین یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب ترین اُن لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں غرور نفس نہیں ہے۔“

یہ وہ دور تھا کہ جب عیسائیوں اور یہود کے درمیان دشمنی چل رہی تھی، اُس وقت عیسائی مسلمانوں کے بارے میں نرم گوشہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت نجاشیٰ ایمان لے آئے اور شہنشاہِ روم ہرقل (Heraclius) خود بھی اس طرح اسلام لانا چاہتا تھا جس طرح اڑھائی تین سو برس پہلے رومی شہنشاہ قسطنطین عیسائی ہوا تو اس کے ساتھ پوری مملکت عیسائی ہو گئی۔ ہرقل چاہتا تھا کہ میں اسلام لے آؤں اور میرے ساتھ میری مملکت بھی اسلام لے آئے تاکہ میری بادشاہت قائم رہے۔ چنانچہ اس کی بادشاہت اس کے پاؤں کی بیڑی بن گئی اور وہ اس سعادت سے محروم رہا۔ میرے نزدیک قرآن حکیم کی متذکرہ بالا آیت اُس دور کی نشاندہی کرتی ہے۔

دوسری آیت وہ ہے جس کی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی:

﴿يَا يَهُآ الَّذِينَ أَمْنُوا لَا تَتَخَذُوا إِلَيْهُودَ وَالنَّظَرَىٰ أَوْلِيَاءَ مَ
بَعْضُهُمُ أَوْلِيَاءَ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ طَإِنَّ اللَّهَ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّلِيمِينَ﴾ (۵)

”اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست مت بناؤ، یہ آپس ہی میں

ایک دوسرے کے دوست (اور ایک دوسرے کے پشت پناہ اور مددگار) ہیں۔
اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنارفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انہی میں ہے۔
يَقِينًا اللَّهُ ظَالِمُونَ كَيْ رَهْنَمَى نَهْيَنَ كَرَتَا۔

یہ دراصل پیشین گوئی تھی آج کے حالات کے بارے میں، ورنہ جس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا اُس وقت تو یہودیوں اور عیسایوں کے درمیان شدید دشمنی تھی۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۳۱ ملاحظہ کیجیے:

**﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّظَرِي عَلَى شَيْءٍ صَ وَقَالَتِ النَّظَرِي
لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ...﴾**

”اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسایوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے.....“

ان کے درمیان ہمیشہ جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ ”اصحاب الأخدود“ عیسائی تھے، ایک یہودی بادشاہ نے خندقیں کھو کر ان میں آگ جلا کر انہیں زندہ جلا ڈالا۔ ان کے مابین شدید دشمنی اور عداوت تھی، لیکن اب برعکس صورت حال ہے کہ ان کے مابین شدید دوستی ہے جس کو آپ کہتے ہیں：“hand in glove“ کہ جیسے ہاتھ کے اوپر دستانہ پہن لیں تو پورا ہاتھ اور دستانہ یکجاں ہو جاتے ہیں، اسی طرح آج یہودیت اور عیسائیت یکجاں ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر اصل حقیقت یہ ہے کہ عیسائیت یہودیت کے مقاصد پورا کرنے میں اس کا آلهہ کاربن چکی ہے۔ اس صورت حال میں ہمارے لیے راہنمائی سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۵ میں ہے، جس کا بھی ہم نے مطالعہ کیا۔ اس سے اگلی آیت میں ارشاد ہے:

**﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرْضٌ يُسَارِ عُوْنَ فِي هُمْ يَقُولُونَ نَخْشَى
أَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةً﴾ (آیت ۵۲)**

”تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں روگ ہے وہ ان ہی (یہود و نصاری) میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں، کہتے ہیں کہ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ ہم کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں۔“

یہ آیت عالمِ اسلام کے موجودہ حکمرانوں پر کس درجے صادق آرہی ہے! اس وقت عالم مہنماہہ **میثاق** = (37) فروری 2022ء

اسلام کے اکثر حکمران (جن کے لیے بادشاہ کا لفظ موزوں تر ہے) بُش کے پرستار ہیں۔ صدر پرویز مشرف صاحب نے بھی اب بُش کے سامنے تیسرا سجدہ کیا ہے۔ انہوں نے پہلا سجدہ کیا تھا جب طالبان کے بارے میں یوٹرن لیا تھا۔ ایک حکومت کو خود سپانسر کیا، اس کی پشت پناہی کی اور ان کا سفیر ملا ضعیف ابھی اسلام آباد میں موجود تھا، لیکن ان کے خلاف امریکہ کی پوری مدد کی اور انہیں تہس نہیں کرنے میں اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ صدر مشرف کا دوسرا سجدہ کشمیر کے مسئلے پر یوٹرن تھا۔ ہمارا موقف ہمیشہ یہ رہا ہے کہ پہلے مسئلہ کشمیر پر بات ہوگی، پھر کوئی اور بات ہوگی۔ چنانچہ واجپائی کے دور میں صدر مشرف صاحب گردن اکڑا کر آگرہ سے واپس چلے آئے تھے کہ پہلے کشمیر کی بات ہوگی، پہلے یہ مسئلہ حل کر دیں اس کے بعد پھر کوئی بات ہوگی۔ اب اس ایشو پر بھی ہم نے سجدہ سہو کر لیا اور چک پر چک دکھائے چلے جا رہے ہیں۔ بھارت کی طرف سے ایک چک بھی نہیں آئی۔ وہ کہتے ہیں کہ سرحدوں کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی، اور کشمیر ہندوستان کا اٹوٹ انگ ہے۔

اب ہمارے صدر صاحب نے تیسرا سجدہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بارے میں کیا ہے۔ اسرائیل کے بارے میں ہمارا ہمیشہ سے یہ موقف تھا کہ ہم ہرگز اسے تسلیم نہیں کریں گے، چاہے عرب تسلیم بھی کر لیں۔ بانی پاکستان نے اسرائیل کو مغربی دنیا کی ناجائز (illegitimate) اولاد قرار دیا تھا۔ اگر عرب مجبوراً ایک ناجائز ملک کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں تو ضروری نہیں کہ ہم بھی مجبوری کے تحت اسے قبول کریں۔ لیکن اب یہ صورت حال زیادہ دُور معلوم نہیں ہو رہی کہ یہ تیسرا سجدہ مکمل ہو جائے گا اور اسرائیل کو تسلیم کر لیا جائے گا۔ اس لیے کہ ہمارے اپنے ملک کے اندر کوئی طاقت ایسی نہیں ہے جو حکومتی اقدامات کو چیلنج کر سکے۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی قابل ذکر جماعتیں تھیں تو وہ جماعت اسلامی اور جمیعت علماء اسلام تھیں۔ ان دونوں کے پاؤں میں ڈیڑھ صوبائی حکومتیں دے کر بیڑیاں ڈال دی گئی ہیں اور انہیں ان کے اندر مگن کر دیا گیا ہے۔ اب وہ صدر پرویز مشرف کے خلاف کوئی سٹینڈ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ بہر حال اس مہنامہ میثاق = فروری 2022ء (38)

وقت صورتِ حال یہ ہے کہ ہم نے قرآنی ہدایات کو نظر انداز کرتے ہوئے بُش کو تیری مرتبہ سجدہ کر لیا ہے اور عیسائیوں کے بعد اب ہم یہودیوں سے بھی دوستی کے لیے بے تاب نظر آ رہے ہیں۔ قائدِ اعظم نے جو اس ملک کے بانی و مؤسس ہیں، دلوں ک انداز میں اسرائیل کو مغربی قوتوں کا حرامی بچہ قرار دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اسے ہم کبھی بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ اسی طرح ہمارے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خان جب امریکہ گئے تھے تو انہیں وہاں یہودیوں کی طرف سے بہت بڑا reception دیا گیا، جس میں اسرائیل کو تسلیم کر لینے کی صورت میں طرح طرح کے لائق دیے گئے۔ لیکن ان کے جواب میں خان لیاقت علی خان مرحوم نے کہا تھا (اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی رحمتیں نازل کرے!)

"Gentlemen, our souls are not for sale."

”حضرات! ہماری روحلیں بکاوہ مال نہیں ہیں۔“

آپ یہ قیمت دے کر لائق دے کر ہمیں ایک غلط کام پر آمادہ نہیں کر سکتے، ہم اسرائیل کو تسلیم نہیں کریں گے۔ اس واقعہ کو ۵۵ برس ہو چکے ہیں اور اب محسوس ہو رہا ہے کہ شاید ہماری حکومت اسرائیل کو تسلیم کرنے اور اس کے ساتھ باقاعدہ ریاستی تعلقات کے قیام کی راہ پر گامزن ہے۔ لیکن ہمیں یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہیے کہ یہود و نصاریٰ کی دوستی ہمارے لیے کبھی نفع بخش نہیں ہو سکتی۔ اس ضمن میں قرآنی ہدایت ہمیشہ ہمارے پیشِ نظر رہنی چاہیے:

”اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا رفیق کبھی نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اور جو کوئی ان سے رشتہ ولایت استوار کرے گا وہ انہی میں سے ہو گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ یاب نہیں کیا کرتا۔“ (المائدۃ: ۱۵)

یہ تھی وہ ساری صورتِ حال جس کا ایک جائزہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے کہ آخری صلیبی جنگ کے معاملات کس طرح قدم بقدم آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان مایوس کن حالات میں ہمیں امریکہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی بجائے اپنے مالکِ حقیقی سے نصرت و اعانت کا طلب گارہونا چاہیے۔

اقول قولی هذا واستغفرالله لى ولکم ولسائر المسلمين والمسلمات ۰۰

فقیق تنظیمِ اسلامی اور قرآن حکیم

ڈاکٹر محمد طاہر خاکوائی

محترم جناب ڈاکٹر طاہر خاکوائی نے تنظیمِ اسلامی کے سالانہ اجتماع منعقدہ نومبر ۲۰۲۱ء، بمقام بہاول پور میں رفقاء تنظیم اور احباب کے لیے نہایت بصیرت افروز اور ولولہ انگیز موضوع پر خطاب فرمایا۔ رفقاء و احباب کی دلچسپی اور افادہ عام کے لیے اس خطاب کو ترتیب و تسویہ کے بعد پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

تنظیمِ اسلامی کی دعوت کی جڑ اور بنیاد قرآن حکیم ہے۔ قرآن حکیم کی اہمیت اور فضیلت کے پیش نظر اس سے ہمارا تعلق کیا ہونا چاہیے، کن چیزوں کو ہمیں اختیار کرنا ضروری ہے اور وہ کیا چیزیں ہیں جن کی ہمیں سخن کرنی ہے، ان باトouں پر تنظیم کے ہر فرق کو غور و فکر کرنا چاہیے تاکہ ہمارے عمل کو تقویت حاصل ہو۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيٌ لِّلّٰتِيْ هِيَ آقُوْمٌ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصَّلِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۚ﴾ (بنی اسرائیل)

”بے شک یہ قرآن اُس راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔ اور یہ ان اہل ایمان کو جو اچھے عمل کرتے ہیں خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا جر ہے۔“

قرآن حکیم ہدایت کی کتاب ہے۔ ویسے تو ہدایت کے پہلو دوسری آسمانی کتابوں میں بھی تھے، لیکن قرآن حکیم صرف ہدایت ہی نہیں ہے بلکہ ”الہدی“، یعنی ہدایت کاملہ ہے اور اس میں رُشد و ہدایت کے تمام پہلو تو ازن و اعتدال کے ساتھ سموئے گئے ہیں۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا يَجِرِ مَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا طَاعِنُوا فَهُوَ أَقْرَبُ لِلْتَّقْوَىٰ ۚ﴾ (المائدة: ۸)

”کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو۔

عدل کو لازم پکڑو، کیونکہ یہی عمل تقویٰ سے قریب تر ہے۔“

مزید فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُوْنُوا قَوْمِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءِ اللَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ح﴾ (النساء: ۱۳۵)

”اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لیے گواہی دیتے ہوئے چاہے یہ (انصف کی بات اور گواہی) تمہارے اپنے خلاف ہو یا تمہارے ماں باپ کے یا رشتہ داروں کے۔“

اس حکم میں ہدایت اور رشید کے تمام پہلو انتہائی اعتدال اور توازن کے ساتھ موجود ہیں۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((وَ مَنِ ابْتَغَى الْهُدَى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللَّهُ)) (سنن الترمذی)

”جو انسان قرآن کے علاوہ کہیں سے بھی ہدایت چاہے گا تو اللہ اسے گمراہ کر دے گا (کیونکہ ہدایت کا منع و سرچشمہ قرآن حکیم ہے)۔“

حقیقت یہ ہے کہ آسمان کے نیچے اور زمین کی پشت پر سب سے بڑی نعمت یہی قرآن حکیم ہے۔ ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے قرآن حکیم کی آخری آیت میں ربِ کائنات نے فرمایا:

﴿أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيَتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِيْنًا ط﴾ (المائدہ: ۳)

”آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت (جو تینیں برس سے تمہارے اور پر اتر رہی تھی) کو بھی پورا کر دیا، اور اسلام کو بطورِ دین تمہارے لیے پسند کر لیا۔“

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی اور اس شخص نے گلہ کیا کہ اللہ نے فلاں شخص پر بڑا فضل فرمایا ہے، تو اس نے قرآن جیسی نعمت عظیمی کی ناقدری کی۔“

گویا اتنی بڑی نعمت تمہیں ملی ہے کہ اس سے بڑی نعمت کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اسی لیے قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ص﴾ (آل عمران: ۱۰۳)

”اللہ کی رتی کو مضبوطی سے تھاموا اور باہم متفرق نہ ہو جاؤ!“

یہ ”حبل اللہ“، قرآن مجید ہے۔ رسول مکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا قول مبارک ہے:

((هُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَتَّيْنُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ))
(سنن الترمذی)

”یہ اللہ کی مضبوط رسمی ہے، اس میں حکمت پر بنی فضیحتیں ہیں اور یہ صراطِ مستقیم ہے۔“

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے مزید ارشاد فرمایا:

((وَحُکْمُ مَا يَئِنَّکُمْ، وَهُوَ الْفَضْلُ لَیْسَ بِالْهُرْلِ)) (سنن الترمذی)

”یہ تمہارے معاملات کے مابین فیصلہ کن کلام ہے۔ اور یہ دوٹوک کلام ہے، کوئی ہنسی مذاق (بے کار یا کوئی از کار رفتہ شے) نہیں ہے۔“ (معاذ اللہ!)

قرآن مجید کی اہمیت اور فضیلت مسلم ہے اور اسی پر ہماری دنیا و آخرت کا دار و مدار ہے۔ قیامت کے دن جب انسانوں کی آنکھیں کھلیں گی تو وہ دیکھیں گے کہ ان کے ایک جانب جنت ہے تو دوسری جانب دوزخ! اور جب اہل دوزخ کو دوزخ کی طرف لے جایا جا رہا ہو گا تو یہ قول ان کی زبانوں پر ہو گا:

﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ۚ ۱۰ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لَا صَحْبٌ السَّعِيرِ ۡ ۱۱﴾ (المُلْك)

”اگر ہم نے (اس کو) سنا اور سمجھا ہوتا تو آج ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ پس وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔ پس پھٹکا رہے دوزخ والوں کے لیے۔“

یعنی وہ اعتراف کریں گے کہ ہم نے اس قرآن کی طرف توجہ نہیں کی، نہ اس کو غور سے سنا، نہ سمجھا اور نہ ہی اس پر عمل کیا۔ اسی لیے آج ہم دوزخ کی جانب گامزن ہیں۔

رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ نے تو اس قرآن کو قوموں کے عروج و زوال کا شاخсанہ بتایا ہے

فرماتے ہیں:

((إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَ يَضْعُ بِهِ آخَرِينَ)) (صحیح مسلم)

”اللہ تعالیٰ اس کتاب کی بدولت بعض قوموں کو عروج عطا فرمائے گا اور اس کتاب (کو پس پشت ڈالنے اور نظر انداز کرنے) کی بنیاد پر بعض کو ذلیل کر دے گا۔“

اگر قوموں کو ان کے عروج اور سر بلندی کے اعتبار سے دیکھیں تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ عروج اور اقتدار تو فرعون، نمرود، هامان اور قارون کو بھی حاصل ہوا تھا۔ مگر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کا یہ جواب رشاد ہے کہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ قوموں کو عروج عطا فرمائے گا، اس عروج و سر بلندی سے

مراد یہ ہے کہ وہ عروج ایسا ہو گا کہ جس سے تمام نوع انسانی کی فلاح و نجات وابستہ ہو گی! باñی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ اپنی تالیف ”رسول انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق انقلاب“ میں رقم طراز ہیں کہ:

”ایم این رائے (M.N.Roy) ایک بنگالی ہندو تھا اور وہ انٹرنیشنل کمیونٹ آرگناائزیشن کا رکن تھا۔ اس نے ۱۹۲۰ء میں بریڈ لاہال لاہور میں اسلام کا تاریخی کردار، (The Historical Role of Islam) کے عنوان سے پیچھر دیا اور کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ انسانی کا عظیم ترین انقلاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے برپا کیا۔ واضح رہے کہ وہ عقیدت مند نہیں ہے، ایک بنگالی ہندو اور طاپ کامیونٹ ہے، لیکن وہ یہ بات تسلیم کر رہا ہے۔“

دنیا میں بڑی فتوحات اٹیلہ اور سکندرِ اعظم نے بھی کیں، لیکن وہ صرف قوت و طاقت کی بنیاد پر عسکری مہماں (brute military campaigns) تھیں۔ اس کے نتیجے میں دنیا کو کوئی علم، کوئی نئی روشنی، کوئی تہذیب اور تمدن پیش نہیں کیا گیا۔ وہ صرف قوت و طاقت کے بل پر فتح و کامیابی تھی۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو انقلاب تھا، وہ عظیم ترین اور کامل ترین انقلاب تھا، کیونکہ اس میں جو عروج حاصل ہوا اس میں نیا علم، نئی تہذیب، نئی روشنی، نیا تمدن اور اخلاقی فاضلہ یہ ساری چیزیں ساتھ آئی ہیں۔ اور ان سب کی جڑ اور بنیاد قرآنؐ حکیم ہی تھا جس کے ذریعے وہ عظیم الشان انقلاب برپا ہوا۔

رسول کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((الْقُرْآنُ نَجَّةٌ لِكَ أَوْ عَلَيْكَ)) (صحیح مسلم)

”قرآنؐ حکیم تمہارے حق میں دلیل ہو گا یا تمہارے خلاف استغاثہ لے کر کھڑا ہو گا۔“ یعنی جو لوگ اس کو پڑھیں گے، اس پر ایمان لا سکیں گے، اسے سمجھیں گے، اس پر غور و فکر کریں گے، اس کے احکام کے مطابق عمل کریں گے، اس کو آگے پہنچا سکیں گے تو ایسے لوگوں کے حق میں قرآنؐ حکیم سفارش کرے گا۔ اور جو اس کو قابل اعتنا نہیں سمجھیں گے، پس پشت ڈال دیں گے اور اپنا زیادہ وقت فضول مشاغل میں گزار دیں گے اور قرآنؐ حکیم پڑھنے کے لیے ان کے پاس وقت ہی نہیں ہو گا تو قرآنؐ حکیم ان کے خلاف استغاثہ لے کر کھڑا ہو جائے گا۔

ہم بحیثیت امت مسلمہ خوب جانتے ہیں کہ آخرت میں ہماری نجات ہمارے ایمان قبلی اور اعمال صالحہ پر منحصر ہے۔ قرآنؐ حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

»وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانُوا عَيْنَهُمْ مَشْكُورًا⑯﴾ (بنی اسرائیل)

”اور جو کوئی آخرت کا طالب ہوا اور اس کے لیے وہ محنت کرے جیسا کہ محنت کرنے کا حق ہے اور وہ مؤمن بھی ہو تو ایسے لوگوں کی محنت کو اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت سے نوازے گا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ آخرت میں نجات کے لیے محنت، کوشش اور ایمان ناگزیر ہے اور ایمان کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ایمان حاصل کہاں سے ہوگا؟ تو ہم سب جانتے ہیں کہ جو شعوری ایمان ہے اس کا منبع و محور قرآنِ حکیم ہے۔ ارشادِ رباني ہے:

»وَإِذَا تُلِيَتِ الْآيَاتُ عَلَيْهِمْ أَيْتُهُمْ زَادَ ثُقُومُ إِيمَانًا﴿ (الانفال: ۲)

”اور جب انہیں اس کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔“

اس کی ترجمانی مولا ناظر علی خان نے یوں کی ہے:

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکانِ فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآن کے سیپاروں میں
چنانچہ ایمان قرآنِ حکیم سے ہی ملے گا، مگر اس کے حصول کے لیے سچی طلب درکار ہے۔
یقین کامل اور طلب میں صداقت ہو تو منزل تک پہنچنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کی کئی مثالیں
سیرت کی کتابوں میں درج ہیں۔ مثلاً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں
پہنچنے کی داستان ہمارے سامنے ہے۔ آپؐ کا تعلق ایران سے تھا جہاں کے لوگ آتش پرست
تھے۔ آپؐ اس مشرکانہ ماحول کو چھوڑ کر حق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ دل کی پیاس ہر قسم
کی کثافت سے پاک تھی، نیت اور طلب میں سچائی کا غالبہ تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نظرِ کرم فرمائی
اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں تک پہنچا دیا اور وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ جب کہ
دوسری طرف آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا سگا چجا جو آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوسی بھی تھا، وہ قرآن سنتا بھی تھا، لیکن
اس کے دل میں حق و صداقت کی کوئی حرارت ہی نہیں تھی، چنانچہ وہ ایمان کی دولت سے
ہی دامن رہ گیا۔ قرآنِ حکیم نے ابو لهب کے بارے میں یہ فیصلہ کر دیا ہے:

»تَبَّتْ يَدَ آبَيِ الْهَبِ وَتَبَّ ۝۱ مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ۝۲﴾ (اللهب)

”ٹوٹ گئے ابو لهب کے دونوں ہاتھ اور وہ نامراد ہوا۔ اس کا مال جو اس نے کمایا وہ اس

کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔“

قرآن حکیم منبع ایمان ہے اور اپنی اہمیت و فضیلت کے اعتبار سے یہ ایک کتاب انقلاب ہے۔ الطاف حسین حالی قرآن کی مدح میں فرماتے ہیں: ۔

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا
وہ بھلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی!

قرآن کے حوالے سے مشرکین کا مشاہدہ یہ تھا کہ جو بھی قرآن سن کر اس پر ایمان لے آتا ہے اس کے اندر غیرت و حمیت اور قوت ایمانی اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ خواہ اسے جان سے مار دو لیکن وہ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہوتا۔ وہ یہ بھی دیکھے چکے تھے کہ حضرت یا سر اور حضرت سمیتہ رضی اللہ عنہ کو بڑی بے رحمی سے مارا پیٹا جاتا تھا اور بالآخر ان دونوں کو انہتائی بہیانہ انداز سے شہید کر دیا گیا، مگر شمع رسالت کے ان پروانوں کی زبان سے کبھی کلمہ کفر نہ نکلا۔ حضرت بلاں رضی اللہ عنہ پر تشدید کی انہتائی کردی گئی مگر اس مردِ مجاہد کی زبان سے سوائے اَحَدْ أَحَد کے اور کچھ نہیں نکلا۔ مشرکین ان حقائق کا بغور جائزہ لے رہے تھے، لہذا ”کھیانی بلی کھما نوچے“ کے مصدق انہوں نے باہم مشورہ کیا، جسے قرآن حکیم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَ الْغَوَا فِيهِ لَعْلَكُمْ تَغْلِبُونَ﴾ (ختم السجدة)

”اور ان کافروں نے کہا کہ تم اس قرآن کو مت سنوا اور اس میں شور و غوغما مچاؤ، شاید اس طرح تم غالب آجائو۔“

وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح نہ کوئی قرآن صحیح طرح سنے گا اور نہ اس کی طرف مائل ہوگا، لہذا ایسا ما حول پیدا کرو کہ کوئی قرآن حکیم کو سن ہی نہ سکے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ وہ ایمان تو چودہ سو سال پہلے قرآن حکیم کی بنیاد پر لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتا تھا تو یہ بالکل احمدقانہ بات ہوگی۔ موجودہ دور میں بہت سی شخصیات صرف ایک بار قرآن مجید کا کچھ حصہ سن کر یا پڑھ کر ایمان لے آئیں۔ مثلاً کیٹ سٹیونز جو ایک مشہور سنگر تھا اور برطانیہ میں گٹار بجا کر گانے گا تھا، اس کے بہت سے دلدادہ (fans) تھے۔ لیکن ایک دن اتفاقاً قرآن

مجید اس کے ہاتھ لگ گیا۔ وہ خود کہتا ہے کہ جب میں نے قرآن کا پہلا chapter کھولا تو سورۃ البقرہ میرے سامنے تھی، اس میں لکھا تھا : «ذِلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ حِلَالٌ فِيهِ جَهَنَّمُ» (آل بقرۃ: ۲) ”یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں۔“ کہنے لگا: ”ہمیں تو مغربی تعلیم یہ سکھاتی ہے کہ ہر چیز میں شک پیدا کرو (doubt everything)۔ اوپر سے نیچے سے دائیں سے باسیں سے دیکھو اس کے اندر کوئی نہ کوئی نقص پیدا کرو۔ لیکن یہ ایسی کتاب ہے جو پہلے صفحہ سے ہی کہہ رہی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے، یعنی اتنا بڑا دعویٰ ہے!“ اس چیز کو قبول کرتے ہوئے اس نے قرآن حکیم پڑھا تو اس کی کائنات ہی بدل گئی اور وہ کیٹ سٹیونز سے یوسف اسلام ہو گیا۔ اسی طرح علامہ اسد جو ایک یہودی تھے، وہ بھی قرآن کے ذریعے سے ہی ایمان لے آئے۔ ایسی ہی مثال موریس بوکائے کی ہے جنہوں نے ایک کتاب "The Bible, The Quran and Science" کے نام سے لکھی، وہ بھی قرآن مجید کا مطالعہ کر کے ایمان لائے تھے۔ چنانچہ آج کے دور میں بھی ایسی شخصیات اس دنیا میں موجود ہیں جن کے بارے میں ہم بر ملا کہہ سکتے ہیں:

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چو دیگر شد جہاں دیگر شود!

حقیقت یہ ہے کہ جب قرآن حکیم کسی کے باطن میں اُترتا ہے تو اس کے اندر کی دنیا کو بدل دیتا ہے اور جب اندر کی دنیا بدلتی ہے تو باہر کی دنیا بھی بدل جاتی ہے، یہ اعجاز قرآن ہے۔ یہ قرآن حکیم ہی تھا جس کی بدولت نبی مکرم ﷺ نے معاشرے کے اندر پھیلے ہوئے شرک، بے دینی، الحاد اور مادہ پرستی کی جڑیں کاٹ دیں۔ دنیا کی محبت اور مال کی محبت جیسی گمراہیوں میں ڈوبی نوع انسانی کو یہاں سے نکال کر ایمان و یقین سے بہرہ مند فرمایا۔ قرآن حکیم خود اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ:

»هُوَ اللَّهُ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَى عَبْدِهِ أَيْتٍ بَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ كُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ط﴿ (آلحدید: ۹)

”وہی (اللہ) ہے جو اُتارتا ہے اپنے بندے پر یہ روشن آیات تاکہ تمہیں اندر ہیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے۔“

رسول کریم ﷺ نے نوع انسانی کو ایمان و یقین کی روشنی سے منور و تاباں کیا، لوگوں کے قلوب و اذہان کو بدلا، جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے چار مقامات پر کیا ہے۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا: ماہنامہ میثاق فروری 2022ء

»لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتَلَوُّ
عَلَيْهِمْ أَيْتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ
قَبْلُ لَغَىٰ ضَلْلٍ مُّبِينٍ ﴿٤٣﴾

”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اُس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں بنتا تھے۔“

یعنی ان کے جو بھی مشرکانہ عقائد، ملحدانہ خیالات اور باطل نظریات تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قرآن حکیم کے ذریعے سے ان کا تزکیہ فرمایا، انہیں کتاب اور اس کے اندر موجود احکامات کی تعلیم دی اور ان کی حکمتیں بھی بیان فرمائیں۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی بدولت انسانوں کے قلوب واذہان کو بدلنا اور ایک جماعت قائم کی، انہیں منظم کیا، ان کی تربیت کی اور ان کو صبر کے مراحل سے گزارا، یہاں تک کہ ایک عظیم الشان انقلاب برپا ہو گیا:

»وَقُلْ جَاءَ الْحُقْقُ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨﴾ (الاسراء)
”آپ کہہ دیجیے: حق آن پہنچا اور باطل مٹ گیا، اور یقیناً باطل ایسی ہی چیز ہے جو مٹنے والی ہے۔“

قرآن مجید کی دعوت میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ کی بندگی اختیار کرو۔ ارشادِ ربانی ہے:

»يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦﴾ (البقرة)

”اے بنی نوعِ انسان! اپنے رب کی بندگی اختیار کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تاکہ تم (آخرت کے دکھوں سے) نجسکو۔“

اللہ کی یہ بندگی اس کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر اور کامل اطاعت کی کیفیت میں ہونی چاہیے۔ یہ قرآن حکیم کی اوّلین (foremost) دعوت ہے۔

اس کے بعد دو چیزیں اور ہیں: دعوت و اقامت، یعنی ”دعوت الی اللہ اور اقامت دین“۔ ان دونوں چیزوں کی بھی قرآن حکیم ہمیں پُر زور دعوت دیتا ہے۔ از روئے قرآن حکیم:

»وَمَنْ أَخْسَنْ قَوْلًا هُمَّنْ دَعَأَ إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّمَا مِنْ

الْمُسْلِمِينَ ③ ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ﴾

”اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف دعوت دے اور نیک عمل کرے اور یہ کہہ کر میں فرمائیں برداروں میں شامل ہوں۔“

اللّٰهُ رَبُّ الْعِزَّةِ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلٰیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

»يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلَغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رسالَتَهُ ط﴿ (المائدة: ٦٧)

”اے رسول (صلَّی اللّٰہُ عَلٰیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ)! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کیجیے۔ اور اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو (اس کا مطلب یہ ہو گا کہ) آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔“

مطلوب یہ کہ قرآن حکیم کے ذریعے سے آپ دعوت دیں، تبلیغ کریں اور اس پیغام کو پہنچائیں، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰیہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے بعد یہ امتِ مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن کے پیغام کو آگے پہنچائیں اور اسی پیغام میں اقتامتِ دین بھی شامل ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

»أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ط﴿ (الشُّورٰ: ١٣)

”تم دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔“

اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ عادلانہ اور منصفانہ نظام اجتماعی سطح پر قائم کرنا۔

اس حوالے سے یہ پہلو ہمیشہ ذہن میں مستحضر رہے کہ حقیقی کامیابی اُخروی کامیابی ہے۔ دنیا میں جتنی بھی بھاگ دوڑ کر لو گے، جو مال بھی خرچ کرو گے، جان اور وقت لگاؤ گے، اپنی صلاحیتوں کو کھپاڑے گے تو اس کے نتیجے میں جو کامیابی حاصل ہوگی وہ کامیابی عارضی ہے، جبکہ اصل کامیابی اُخروی ہے۔ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

»فَمَنْ زُحِزَّ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقُدْ فَازَ طَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ۝﴿ (آل عمران: ١٦٥)

”پس جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ (صحیح معنوں میں) کامیاب ہو گیا۔ اور یہ دنیوی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ انہوں نے قرآن

حکیم کو سنا اور ان کی کا یا پلٹ گئی۔ ان کے اندر یہ تبدیلی کیسے رونما ہوئی؟ اس لیے کہ انہوں نے قرآن حکیم کو سینے سے لگایا اور جب قرآن حکیم سینے سے لگا تو بس دنیا ہی بدل گئی۔ بقول اقبال:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب

گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف!

صحابہ کرام ﷺ کی سوچ، ان کی فکر، ان کا نقطہ نظر، ان کی اقدار، ان کے عزائم، امنگیں، دلچسپیاں، اُن کے اخلاق، سیرت و کردار، ان کے خوف، اُمیدیں، خلوت و جلوت، اُن کی انفرادیت و اجتماعیت، رات و دن، حتیٰ کہ ان کی کائنات، ہی بدل گئی اور ان کی زندگی میں کچھ بھی ایسا باقی نہیں رہا جس کو وہ ماضی میں گزار کر آئے تھے۔ اور یہ تبدیلی کوئی معروضی تبدیلی نہیں تھی بلکہ حقیقی تھی۔ ایسی ہی تبدیلی سے انقلاب اور کشمکش کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ بقول اقبال:

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل

یا خاک کے آغوش میں تسبیح و مناجات

وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست

یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات!

تبدیلی جب واقعی و حقیقی ہو تو اس میں سے لازماً کشمکش اور کشاکش جنم لیتی ہے اور یہ کشاکش سب سے پہلے اپنے نفس کے ساتھ ہوتی ہے۔ چنانچہ اپنے نفس کو اس کی خواہشات کو اللہ کی رضا اور اس کی پسند کے تابع کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ابلیس کے ساتھ کشمکش، باطل معاشرے، باطل نظریات اور انجام کا رباطل نظام کے ساتھ کشمکش اور پنجہ آزمائی ضروری ہے۔ سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کریں، صحابہ کرام ﷺ کی سیرتوں کو پڑھیں تو واضح طور پر یہ نظر آئے گا کہ ان کی زندگیوں میں یہی کچھ تو ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم سیکھا، نبی اکرم ﷺ سے تعلق مضبوط کیا، تو زندگی میں تبدیلی آئی، کشاکش نے جنم لیا اور وہ ع ”لڑادے موالے کو شہباز سے!“ کے مصدق بن گئے۔ بالآخر اللہ عزوجل نے ان کو سرخو کیا اور اس طرح ان کی سیرت ہمارے لیے ایک محرک بن کر سامنے آگئی۔ اصل میں قرآن حکیم سے ہمارا تعلق ایسا ہونا چاہیے کہ وہ ہمیں possess کر لے، یعنی قرآن ہم پر اور ہماری فکر و نظر پر پوری طرح قابض ہو جائے اور یہی قبضہ سب سے مبارک قبضہ ہے۔

کیٹ سٹیونز (یوسف اسلام) بھی یہی کہتا تھا کہ جب میں نے قرآن حکیم پڑھنا شروع کیا تو قرآن نے مجھ پر قبضہ کر لیا (Quran possessed me)۔ پھر میں ہر وقت ڈرتا تھا کہ کہیں قرآن مجھ سے چھن نہ جائے۔ رات کو سوتا تو قرآن تکیے کے نیچے رکھ کر سوتا تھا۔ رات کو پڑھتا اور صبح اٹھتے ہی پھر اس کی تلاوت کرتا۔ گویا ایک لگن اس کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ اندر ایک ایسی آگ بھڑک اٹھی تھی کہ ہر وقت ہی اسے پڑھتا رہتا۔ ضروری ہے کہ ہمارے اندر بھی یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ قرآن کا ہم پر قبضہ ہو جائے اور قرآن ہمارا اوڑھنا بچھونا بن جائے۔ جیسے کہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ نے فرمایا کہ قرآن حکیم کو پڑھو اور صرف ایسی رواروی میں نہ پڑھو کہ بس ثواب حاصل کرنے کی نیت ہو۔ اللہ کے سامنے عاجزی کرو، گڑگڑاؤ، اسے سمجھو، اس پر غور و فکر کرو، خود اس پر عمل کرو اور اسے آگے پہنچاؤ۔ کسی کو خبردار کرنا ہو یا خوشخبری سنانی ہو اس کا ذریعہ بھی قرآن ہی ہو۔ کسی کو تعلیم دینی ہو، تذکیر کرنی ہو، کسی کو تبلیغ کرنی مقصود ہو تو اس کا ذریعہ بھی قرآن ہی ہونا چاہیے۔

مزید یہ کہ قرآن مجید کی گہرائی میں اُتر کر حکمت و دانائی کے موئی چن کر لانا ہمارا مقصد ہونا چاہیے، کیونکہ اسی سے ایمان و یقین کی کیفیت پیدا ہو گی۔ بقول اقبال ۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان!

اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

علامہ اقبال کے زیر مطالعہ قرآن کا نسخہ جو میوزیم میں رکھا ہوا ہے اُس کے اور اق اُن کے رونے کی وجہ سے نچڑ گئے ہیں۔ ہماری بھی یہی کیفیت ہونی چاہیے۔ اپنا تزکیہ نفس کرنا ہو، تصفیہ قلب ہو، روح کو جلابخشی ہو، اور باطل نظام کو جڑوں سے اکھیڑ کر اس کی جگہ ایک عادلانہ اور منصفانہ نظام قائم کرنا مقصود ہو تو یہ بغیر قرآن کے نہیں ہو سکتا! رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ نے ایک طویل حدیث کے آخر میں فرمایا:

((مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ، وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أَجْرٌ، وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدْلٌ، وَمَنْ دَعَاهُ إِلَيْهِ هُدِیَ إِلَى صِرَاطِ مُسْتَقِيمٍ)) (سنن الترمذی)

”جس نے اس (قرآن حکیم) کے حوالے سے بات کی اُس نے سچ کہا، جس نے اس پر عمل کیا وہ اجر پا گیا، جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اُس نے عدل کیا۔ اور جس نے

لوگوں کو قرآن کی طرف بلا یا اس کو اللہ کے راستے کی طرف ہدایت نصیب ہو گئی۔“
اہذا قرآن حکیم سے ہمارا اصل تعلق اس طرح ہونا چاہیے۔ محض رسمی طور پر یا کسی کاغذی کارروائی کے طور پر قرآن حکیم کا پڑھنا، قرآن کے ساتھ زیادتی اور اس کی حق تلفی ہے۔

ایک اور اہم چیز پیش نظر رہے کہ ہماری فکر انقلابی ہے اور اس میں پختگی قرآن حکیم سے حاصل ہو گی۔ قرآن حکیم کا دامن تو انتہائی وسیع ہے۔ اس میں تبیشر بھی ہے، ”انذار“ (warning) بھی ہے، آخرت کے حوالے سے بھی بہت کچھ ہے۔ یہ علوم و معرفت کا خزانہ ہے۔ مگر ہماری انقلابی فکر کا محور ”مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب“ ہے۔ اس سے نظر نہیں ہٹنی چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ پر مشکل حالات آتے رہے۔ تنظیم اسلامی کا ہر رفیق جب اپنے آپ کو قرآن و سنت اور شریعت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے گا اس پر بھی لازماً مشکلات آئیں گی۔ مثلاً اگر گھر میں پردے کا معاملہ ہو تو یقیناً رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ آپ رسم و رواج کی بخ کرنے کی کوشش کریں گے تو معاشرہ دیوار بن کر کھڑا ہو جائے گا، تصادم ہو گا۔

نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرام هُنَّا نَّبِیٌّ اَنَّمَا مشکل مراحل سے گزرے ہیں۔ ہماری مشکلات تو ان پر گزرے مصائب کا غُشر عشیر بھی نہیں ہیں۔ ان مشکلات میں اللہ تعالیٰ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کو مختلف پیرائے میں تسلی دیتا، مثلاً:

﴿أُتُلُّ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّكَ مِنَ الْكِتَابِ﴾ (العنکبوت: ۳۵)

”(اے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ!) جو کتاب آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے اس کی تلاوت کیجیے!“

ظاہر بات ہے کہ وہاں تلاوت کا مطلب یہ نہیں تھا کہ جیسے ہم عربی نہیں جانتے اور محض ثواب کی نیت سے پڑھتے ہیں۔ تلاوت کا مطلب ہے پیچھے پیچھے آنا، follow کرنا۔ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلَہٖ وَسَلَّمَ کی وساطت سے ہمارے لیے بھی یہی ہدایت ہے کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھیں اور مسلسل پڑھتے رہیں۔ اس کے اوامر و نواہی سے آگاہی حاصل کریں اور اپنا عمل درست کریں۔ مسلسل قرآن حکیم پڑھتے رہنے سے ہمارے اندر کی نفسانی خواہشات، مال و دولت کی محبت اور اس کی کثافت بھی دور ہو جائے گی۔ بقول اقبال:

یہ مال و دولت دُنیا، یہ رشتہ و پیوند
 بتان و ہم و گماں لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ!

اب اس کو محدود (confined) کیسے کیا جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ عبادات کے ذریعے سے اپنے نفس پر قابو پایا جائے۔ اور عبادات میں سب سے اولین (foremost) چیز وقت نماز ہے اور پھر خصوصیات کی نماز۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أُتُلُّ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّكَ مِنَ الْكِتَابِ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَإِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ط﴾ (الْعَنكَبُوتُ: ۲۵)

”(اے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ!) جو کتاب آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجی گئی ہے اس کی تلاوت کیجیے اور نماز قائم کیجیے۔ بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔“

نماز کے اندر یہ قوت اور طاقت ہے کہ وہ بندہ مسلم کو برا یوں سے باز رکھتی ہے۔ پھر مال و اولاد کی محبت کو بھی کم سے کم کرنا ہے۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ کو بھی بار بار تلقین کی گئی ہے کہ قرآن کی طرف توجہ فرمائیں تاکہ اس کے ساتھ آپ کا ذہنی اور قلبی تعلق جڑا رہے۔ اگر قرآن سے ہمارا یہ تعلق کمزور پڑ گیا تو جذبات سرد پڑ جائیں گے اور ہم اپنی ذمہ داریوں سے راہِ فرار اختیار کریں گے۔ اس صورت میں دنیاداری انسان کے پیر جکڑتی ہے، کسی اجتماعی مہم کے موقع پر کئی عذر پیش کرتا ہے اور اس کی ترجیحات ہی بدل جاتی ہیں۔

دوسری چیز اپنے اندر نظم و ضبط پیدا کرنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا أَسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لَا نُفْسِكُمْ ط﴾ (التَّغَابِنُ: ۱۶)

”پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اپنی حدِ امکان تک، اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو (اللہ کی راہ میں) یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔“

سنو اور اطاعت کرو (Listen and obey!) بس یہی نظم ہے۔ یعنی تمہارا امیر جو تم سے کہہ رہا ہے اس کی بات پر توجہ دو اور اس کے مطابق ہی عمل کرو۔ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖہ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

((أَنَا أَمْرُكُمْ بِخَمْسٍ، اللَّهُ أَمْرَنِي بِهِنَّ : بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهُجْرَةِ وَالْجُهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ)) (سنن الترمذی)

”میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں، اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے: التزام جماعت کا، (امیر کا حکم) سننے اور ماننے کا، ہجرت کا، اور اللہ کے راستے میں جہاد کا!“

اس ضمن اہم چیز سمع و طاعت ہے۔ کیونکہ تعمیری کام منظم جد و جہد کے بغیر ممکن نہیں۔ تحریکی کام کا مہمانہ میثاق فروری 2022ء

اپنا انداز ہوتا ہے مگر تعمیری (constructive) کام صرف منظم جماعت ہی کر سکتی ہے۔ ایسی کوئی تحریک ترقی نہیں کر سکتی جس میں نظم و ضبط کا فقدان ہو۔

ایک اور چیز جو ہم نے اختیار کرنی ہے وہ جہاد ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ط﴾ (الْحُجَّ: ٧٨)

”اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔“

جہاد، محنت، کوشش، ایثار و قربانی، اپنی تو انائیاں، اپنی صلاحیتیں کام میں لانا اور اس راہ میں کھپانا، ہمارا بنیادی ہدف ہونا چاہیے۔ پھر شہادت کی آرزو اپنے دل میں رکھنا۔ ہم عاشقانِ رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمیں رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی پیش نظر رکھنا چاہیے:

((وَالَّذِي نَفِسِي بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنْ أُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأُقْتَلَ، ثُمَّ أُخْيَا ثُمَّ أُقْتَلَ، ثُمَّ أُخْيَا ثُمَّ أُقْتَلَ، ثُمَّ أُخْيَا ثُمَّ أُقْتَلَ)) (صحیح البخاری)

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میری بڑی خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جنگ کروں تو اس میں قتل کر دیا جاؤں، پھر میں زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر میں زندہ کیا جاؤں، پھر (اللہ کی راہ میں) قتل کیا جاؤں، پھر میں زندہ کیا جاؤں، پھر (اللہ کی راہ میں) قتل کیا جاؤں۔“

رسول اللہ ﷺ کے دل میں تو یہ شدید خواہش ہوا اور ہمارے اندر اس سے گریز ہو تو یہ کیسا عشقِ رسول ہے؟ ع ”جس کو ہو جان و دل عزیز اُس کی گلی میں جائے کیوں!“ اور بقولِ اقبال ہے

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئندہ ہے وہ آئندہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئندہ ساز میں!

اپنی جان، اپنی صلاحیت، اپنے اوقات، اپنی قوت اور اپنامال بچا بچا کے نہ رکھو بلکہ خرچ کرو۔ ایک داعی کے اندر شوقِ شہادت، جذبہ جہاد اور ایثار و قربانی کا داعیہ ہونا ناگزیر ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشورِ کشاں!

اجتماعیت کے ہر موقع پر دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا ہر رفیق کے لیے لازمی ہے۔ اس موقع پر صبر و تحمل سے کام لینے سے ہی تو ہماری تربیت ہوگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے:

»وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ إِيمَانُهُمْ خَصَاصَةً ط﴿﴾ (الحشر: ۹)

”اور وہ اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، اگرچہ وہ خود اس کے زیادہ حاجت مند ہوں۔“

لہذا یہ وصف ہمارے اندر بھی ہونا چاہیے۔ پھر دل کی سچی لگن کہ جس سے انسان ذہنی طور پر مطمئن ہو کہ ہم ایک تنظیم کے ساتھی ہیں۔ محض تنظیم میں نام لکھوادینا، ہی ہمارا مقصد نہ ہو بلکہ جس مشن کے لیے اس میں شامل ہوئے ہیں اس کی سچی تڑپ ہمارے اندر جا گزیں ہونا لازمی ہے۔ جیسا کہ ایک موقع پر بانی تنظیم نے کہا تھا کہ ”راتوں کی نیند اڑ جائے یہ سوچ کر کہ یہ معاشرے میں کیا ہو رہا ہے؟ یہ فکر ہماری راتوں کی نیند اور دن کا سکون ختم کر دے۔“ پھر دوسروں کے عمل کو دیکھے بغیر ہمیں اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہنا چاہیے۔ ہمارے پائے استقامت میں لغزش نہیں آنی چاہیے۔ دین کا کام مستقل مزاجی اور تسلسل کے بغیر ممکن نہیں۔ بقول اقبال: ۔

لیقیں مُحَمَّمَدُ، عَمَلٌ پَیَّمَمُ، مُحْبَتٌ فَاتِحٌ عَالَمُ
جَهَادٍ زندگانیٰ میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

ایک اور اہم چیز جو اجتماعیت میں لازمی ہونی چاہیے اس کا ذکر قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے: ﴿هُنَّمُدُّ رَسُولُ اللَّهِ ط وَ الَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحْمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ۲۹) ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اور جوان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بہت سخت اور آپس میں انتہائی رحیم و شفیق ہیں۔“ چنانچہ رفقاء کی آپس کی کیفیت بھی رحم و شفقت پر مبنی ہونی چاہیے، کیونکہ نفرت کرنے والے دل آپس میں کبھی نہیں مل سکتے اور منافقانہ میں جوں حقیقی اطاعت کی بنیاد بن ہی نہیں سکتا۔ خود غرضی بھی رفاقت میں دیوار بنتی ہے۔ باہمی طور پر اخوت و محبت، ہمدردی و خیرخواہی، باہمی اعتماد و حسن ظن اور باہم ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے رہنے سے، ہی یہ جماعت سیبیسہ پلاٹی ہوئی دیوار بنے گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفَّا كَانُهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾ (الصف)

”بے شک اللہ پسند کرتا ہے اپنے ان بندوں کو جو جنگ کرتے ہیں صافیں باندھ کر، گویا

کہ سیسیہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔“

اگر دل آپس میں پھٹے ہوئے ہوں، میل جوں میں منافقت ہو تو سیسیہ پلائی ہوئی دیوار کیسے بنے گی؟ جماعتی زندگی میں کچھ چیزوں کو ہمیں اپنے اندر سے نکال پھینکنا (eradicate کرنا) ہوتا ہے اور کچھ چیزوں اختیار کرنا ہوتی ہیں۔ نکال پھینکنے والی چیزوں میں سب سے پہلی چیز نیت کا کھوٹ ہے۔ یہ نیت اتنی اہم چیز ہے کہ امام بخاریؓ اور امام مسلمؓ نے اپنی اپنی کتاب کی ابتداء نیت سے متعلق حدیث سے ہی کی ہے۔ چنانچہ ہماری نیت محض اللہ کی رضا، اخروی نجات اور اپنے فرض کی ادائیگی کی ہونی لازمی ہے۔ دنیا میں کسی کی خوشنودی مقصود نہ ہو، کوئی ذاتی غرض یا دنیاوی مفادات وابستہ نہ ہو۔ جان لجھئے کہ نیت کا کھوٹ انسان کے کردار پر اثر انداز ہوتا ہے اور جو چیز کردار پر اثر انداز ہو وہ انسان کو کامیابی کی راہ سے ہٹا دیتی ہے۔

نکال پھینکنے کے لاٹ دوسری چیز خوب جاہ ہے۔ شہرت اور نام و نمود کی خواہش ہرگز نہ ہو۔ ایک داعی کو ان چیزوں سے کوسوں دور رہنا چاہیے۔ ریا کاری بھی انسان کے ہر عمل پر پانی پھیر دیتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ صَلَّى يُرَايِئَ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ صَامَ يُرَايِئَ فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَايِئَ فَقَدْ أَشْرَكَ)) (مسند احمد)

”جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اُس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کا صدقہ و خیرات کیا اُس نے شرک کیا۔“ لہذا اس چیز کو اپنے اندر سے نکال پھینکنا ہے۔

اس ضمن میں تیسری چیز خود پسندی ہے۔ یہ بھی انسان کی شخصیت کو ہلاکا کر دیتی ہے۔ بقول شاعر ع ”اپنے ہی حسن کا دیوانہ بنا پھرتا ہوں!“ یعنی یہ کیفیت نہ ہو کہ میرے اندر ہی ساری خوبیاں ہیں، میرے اندر کوئی نقص، عیب اور کمزوری نہیں۔ اس لیے کہ اس سے پھر بعض وعداوت پیدا ہوتی ہے۔ انسان کسی دوسرے کی تعریف برداشت نہیں کرتا۔ میں بہت اچھا مقرر ہوں، بہت اچھا لکھاری ہوں۔ یہ چیزیں ایک داعی کے اندر ہرگز نہیں ہونی چاہیں، بلکہ اس میں عاجزی و انکساری ہونا ضروری ہے کہ میرے اندر جو بھی صلاحیت اور جو بھی خوبی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کے فضل کرم سے ہے۔

چوٹھی چیز یہ ہے کہ دُنیوی معاملات میں خود کو غیر ضروری رعایت دینا اور دوسروں کو کم سے کم گنجائش اور رعایت دینا۔ یہ چیز بھی نکال پہنچنے کے لائق ہے۔ داعی کے لیے معاملہ اس کے برعکس ہونا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُوقَ شُحّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ⑨﴾ (الْحُسْنُ)

”اور جو لوگ اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ ہو جائیں وہی فلاح پانے والے ہیں۔“ ”شُحّ“، کہتے ہیں تنگ دلی اور لاچ کو الہزادیہ تنگ دلی نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ اگر آپ کو اپنے اندر قائدانہ صلاحیت پیدا کرنی ہے تو دوسروں کو زیادہ الاؤنس دیجیے۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ انسان میں ضعفِ ارادہ نہ ہو کہ شروع میں تو بڑے جوش و جذبے سے تنظیم میں شامل ہو گئے اور بہت کچھ کر گزرنے کے ارادے باندھ لیے، لیکن جب ذمہ داریوں کا بوجھ کا ندھوں پر آیا تو ہمت جواب دے گئی اور جوش و ولولہ سرد پڑنے لگا ہے۔ ضعفِ ارادہ سے اقامتِ دین کی راہ میں مال اور وقت، بلکہ سب کچھ بچانے کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور دنیا اس کی ترجیحات میں شامل ہو جاتی ہے۔

اصل میں ہمارا ہر دن گزرے ہوئے دن سے بہتر ہونا چاہیے۔ دنیا میں تو سب ہی یہ چاہتے ہیں کہ وہ آگے سے آگے بڑھتے جائیں مگر اصل معاملہ تو دین کا ہے۔ ہماری ترجیح تو دین ہونا چاہیے اور اس کے لیے مؤثر ترین اور طاقت ور ترین عامل (agent) اللہ کا کلام ہے جو ہر مرحلے پر انسان کو راہ دکھاتا ہے۔ یہ انسان کی نفیات سے بھی بات کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کی ہر کمزوری سے خوب واقف ہے، اُسی نے تو انسان کو تخلیق کیا ہے، اُس کے فطری رجحان، اُس کی پسند و ناپسند سب کو وہ جانتا ہے۔ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں عیشت، معاشرت، سیاست، عقائد و رسومات اور عبادات ہر پہلو سے وہ اپنے کلام میں ہدایت دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں غوطہ زنی انسان کی ہر شفگانگی کو سیراب کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ میرے، آپ کے اور ہم سب کے دلوں میں اس قرآن عظیم اور فرقانِ حمید کو اتاردے، اس کے ساتھ ہمارا ایک زندہ تعلق پیدا ہو جائے، اس کے مطابق ہمارا جینا اور مرننا ہو جائے اور اس پر عمل کرنے اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کی کیفیت ہمارے اندر پیدا ہو جائے۔ آمین یا رب العالمین!



الْتَّوْحِيدُ فِي الْقُرْآنِ

از قلم: پروفیسر یوسف سلیم چشتی

دنیا کی مذہبی کتابوں کے قابلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ قرآن حکیم کے علاوہ کسی الہامی کتاب نے توحید باری تعالیٰ پر اس قدر زور نہیں دیا ہے۔ بقول پادری سی ایف اینڈریوز (Rev. Dr. C. F. Andrews) ”دنیا میں صرف اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے اپنا کلمہ ہی لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مقرر کر لیا ہے،“ لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ قرآن ہی وہ واحد الہامی کتاب ہے جس نے شرک کی تمام ممکن صورتوں کا ابطال کر کے خالص توحید کا اثبات کیا ہے، یعنی قرآن نے شرک فی الذات، شرک فی الصفات، شرک فی الحکم، شرک فی العبادت، شرک فی التصرف اور شرک فی الآثار..... غرض کہ ہر ممکن صورت کا ابطال کر دیا ہے۔ اس موضوع پر قرآن حکیم میں سو سے زائد آیات موجود ہیں۔ میں اس وقت ان میں سے چند آیات پیش کروں گا:

(۱) ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ ۖ وَإِنْ يَمْسِسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَآرَادَ لِفَضْلِهِ ۝﴾ (یونس)

”اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کر سکے تیرانہ برا۔ پس اگر تو نے ایسا کیا، تو تو بھی فوراً ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اور اگر اللہ تجھے کچھ تکلیف پہنچا دے تو اُس کے سوا کوئی اُس کو دور کرنے والا نہیں ہے۔ اور اگر اللہ تیرے ساتھ بھلا کی کرنا چاہے تو نہیں ہے کوئی اسے روکنے والا۔“

(۲) ﴿أَنَّدْعُ عَوْا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا ۝﴾ (الانعام: ۷۱)

”کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ایسوں کو پکاریں جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں!“

(۳) ﴿قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُم مِّنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِي لَّا ۝﴾ (بنی اسرائیل)

”(اے رسول ﷺ! آپ منکرین سے کہہ دیں کہ تم ان کو پکار کر دیکھ لو جن کو تم نے اللہ کو چھوڑ کر اپنا معبود بنار کھا ہے کہ وہ نہ تو تم سے مصیبیت کو دُور کر سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں۔“

(۴) ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ۝﴾ (الاعراف)

”اور وہ لوگ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہوئے تو تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔“

(۵) ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْعَيْرٍ ۝ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُونَ دُعَاءَكُمْ ۝ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ ط ۝﴾ (فاطر: ۱۲)

”اور جن کو تم پکارتے ہو اس کے سوا (خواہ وہ رسول ہوں یا نبی اور ولی ہوں یا اولادِ رسول) وہ تو کھجور کی گٹھلی پر جو چھلکا ہوتا ہے، اس کے بھی مالک نہیں ہیں (کہ تمہیں بخش دیں)۔ اگر تم نہیں پکارو گے تو وہ تمہاری پکار سن بھی نہ سکیں، اور (بفرض محال) اگر سن بھی لیں تو تمہیں جواب نہیں دے سکتے۔“

(۶) ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادُ أَمْثَالِكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلَيَسْتَجِيبُو لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ۝﴾ (الاعراف)

”اللہ کو چھوڑ کر تم لوگ جن کو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح اللہ کے عاجز بندے ہیں (تو وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟) اگر تم سچے ہو تو انہیں پکارو اور انہیں لازم ہے کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں (اگر نہ دے سکیں تو سمجھ لو کہ وہ تمہاری مدد بھی نہیں کر سکتے)۔“

(۷) ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝ إِنْ يَشَاءْ يُذْهِبُكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۝ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وَزُرَّ أُخْرَى ط ۝﴾ (فاطر)

”اے لوگو! تم سب (اپنی ہستی کے لیے) اللہ کی طرف محتاج ہو، اور (صرف) اللہ ہی ہر چیز سے بے نیاز اور سب خوبیوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق

پیدا کر دے۔ اور یہ بات اللہ کے لیے کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔ اور کوئی شخص دوسرے کا بوجہ نہیں اٹھائے گا۔“

(۸) ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذَبَابًا وَلَا اجْتَمَعُوا لَهُ طَوَانٌ يَسْلُبُهُمُ الْذُبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنِقُذُوْهُ مِنْهُ ط﴾ (الحج: ۷۳)

”وہ لوگ جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے (پوچھتے) ہو وہ (اس قدر عاجز ہیں کہ) اگر سب مجتمع ہو جائیں تو ایک مکھی بھی نہیں بن سکتے۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ اس سے واپس نہیں لے سکتے۔“

(۹) ﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا مِنْ شُرُكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ﴾ (سبا)

”(اے رسول ﷺ! آپ (ان مشرکوں سے) کہہ دیجیے کہ تم جن کو اپنے خیال باطل میں خدائی میں دخیل سمجھتے ہو ان کو بلا وہ (اور تحقیق کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ) وہ نہ تو آسمانوں میں ذرہ بھرا اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں، اور نہ زمین و آسمان کے بنانے میں ان کا کچھ اختیار یا سماجھا ہے، اور نہ ان میں سے کوئی خدا کا مددگار ہے۔“

(۱۰) ﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهِ الْهَمَّةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لَا نُفْسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا﴾ (الفرقان: ۳)

”اور ان مشرکوں نے اللہ کے علاوہ ان کو بھی اللہ بنار کھا ہے جنہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا بلکہ خود مخلوق (پیدا شدہ) ہیں، اور یہ (منْ دُوْنِ اللَّهِ اس قدر عاجز ہیں کہ) نہ تو اپنے آپ کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر کو دفع کر سکتے ہیں اور نہ ان کو موت یا زندگی یاد و بارہ زندگی پر کوئی قدرت حاصل ہے۔“

(۱۱) ﴿ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ (الحج)

”یہ اس لیے ہے کہ صرف اللہ ہی الحق (سچا خدا) ہے اور یہ لوگ اُس کے علاوہ جسے بھی

پکارتے ہیں وہ باطل (جھوٹ) ہے اور پیشک اللہ ہی بلند مرتبہ اور بزرگی والا ہے۔“

(١٢) ﴿يَلْعُوَا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا يَنْفَعُهُ ط﴾ (الحج: ١٢)

”وَهُنَّا لِلَّهِ كُوچھُوْزُ کر اُسے پکارتے ہے جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے۔“

(١٣) ﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ شَرَكَاءَ طَإِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ
وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ⑯﴾ (يونس)

”اور یہ جو اللہ کے سواد و سروں کو پکارتے ہیں وہ کوئی اللہ کے (حقیقی) شرکاء کی پیروی تو نہیں کرتے۔ کچھ نہیں مگر پچھے پڑے ہیں خیال کے اور کچھ نہیں مگر آٹھلیں دوڑاتے ہیں۔“

(٢٠) ﴿ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلِقُونَ ۚ ۚ أَمْوَالٌ
غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ ۚ لَا آيَاتَ يُبَعْثُرُونَ ۚ ۚ ﴾ (النحل)

”اور جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پاکارتے ہیں، انہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی بلکہ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔ وہ مُرده ہیں، ان میں کوئی زندگی نہیں ہے، اور وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ کب دوبارہ اُٹھائے جائیں گے۔“

(١٥) ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ أَرْوَاحُنِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ
كَهْمٌ شَرِكٌ فِي السَّمَاوَاتِ إِيَّتُوْنِي بِكِتْبٍ مِنْ قَبْلِ هَذَا آأَوْ أَثْرَةً مِنْ عِلْمٍ إِنْ
كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ③ وَمَنْ أَضَلُّ هَمَنْ يَدْعُوْنَا مِنْ دُوْنِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ
لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ وَهُمْ عَنِ الدُّعَائِهِمْ غَفِلُونَ ⑤﴾ (الْحَقَاف)

”(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکوں سے) کہہ دیجیے کہ جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہوئے یہ تو بتا دو کہ انہوں نے دنیا میں کون سی چیز پیدا کی ہے؟ یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں کچھ سما جھا ہے؟ لا وَ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا کوئی ایسی روایت جس کی بنیاد علم پر ہوا گرتم سچے ہو! اور اُس سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر اُس سے پکارتا ہے جو قیامت تک اُس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتا، اور وہ ان کی پکار سے بے خبر ہیں۔“

(١٦) ﴿مَا لَكُم مِّنْ دُونِهِ مِنْ وَلَيٌ وَلَا شَفِيعٌ طَّافَلَاتَنَّ كَرُونَ﴾ (السَّجْدَة)

اے لوگو! اللہ کے سوا تمہارے لئے نہ کوئی ولی (دost) سے نہ شفاعت کرنے والا۔

پس تم غور کیوں نہیں کرتے؟“

(۱۷) ﴿مَالَّذِيْكُمْ مِنْ أَنْشَأَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (المؤمن: ۳۳)

”(اے لوگو!) اللہ کے سوا تمہیں کوئی مصیبت سے بچانے والا نہیں ہے۔“

(۱۸) ﴿أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلِقُونَ ۚ وَلَا يَسْتَطِيْعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ﴾ (الاعراف: ۱۹۷)

”کیا یہ لوگ اُن کو اللہ کا شریک بناتے ہیں جنہوں نے کوئی چیز پیدا نہیں کی بلکہ وہ خود پیدا کیے گئے ہیں؟ اور یہ (وہ عاجز لوگ ہیں جو) نہ ان کی مدد کر سکتے ہیں نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں۔“

(۱۹) ﴿مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ (الكهف: ۳۹)

”(وہی ہوتا ہے) جو اللہ چاہتا ہے! اگر اللہ قوت نہ دے تو کسی شخص میں کوئی قوت یا طاقت نہیں ہے۔“

(۲۰) ﴿إِنَّمَا تَأْسُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرُحُوا بِمَا آتَكُمْ ۚ﴾ (الحدید: ۲۲)

”تاکہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے یعنی جاتی رہے تم اس پر افسوس مت کرو (کیونکہ وہ خدا کے حکم سے فوت ہوئی ہے) اور اگر اللہ تمہیں کچھ عطا کرے تو اس پر اتراؤ مت (کیونکہ وہ چیز تمہاری قابلیت یا کوشش سے نہیں ملی ہے)۔“

(۲۱) ﴿وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ طَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۚ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سُرُّمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيْكُمْ بِضِيَاءٍ طَافِلًا تَسْمَعُونَ ۚ﴾ (القصص)

”اور وہی اللہ ہے جس کے سواد و سرا ایلہ (ساری کائنات میں) نہیں ہے۔ حمد و شناصر اُسی کے لیے زیبا ہے، دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اور حکمرانی اُسی سے مختض ہے اور تم سب اُسی طرف واپس بھیجے جاؤ گے۔ (اے رسول ﷺ! ان سے) کہو کیا تم نے غور کیا اگر اللہ رات کو قیامت تک طویل کر دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی عطا کر سکتا ہے؟ بھلا کیا تم سنتے نہیں ہو؟ (تم غور کیوں نہیں کرتے!)“

(۲۲) ﴿تَبَرَّكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَلَمِينَ نَذِيرًا ۖ﴾

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا ۚ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلِقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لَا نُفْسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ۚ ﴿٣﴾ (الفرقان)

”مبارک ہے وہ ذات جس نے نازل کیا فرقان (قرآن) اپنے بندے پر تاکہ وہ جہان والوں کے لیے نذر ہو جائے۔ وہی ہے جس کے لیے با دشابت ہے آسمانوں اور زمین کی، اور اُس نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور حکومت میں کوئی اُس کا شریک نہیں ہے، اور اُسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر شے کی تقدیر معین کی۔ اور مشرکوں نے اس کے علاوہ ایسوں کو خدا بنارکھا ہے جنہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا بلکہ وہ تو خود مخلوق ہیں (یعنی دوسروں کے محتاج ہیں) اور جن کا خود اپنے نقصان یا فائدے پر بھی کوئی بس نہیں چلتا، اور نہ مالک ہیں موت اور زندگی کے اور نہ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو جانے کے۔“

ان آیات میں، جو میرے دعویٰ کے اثبات کے لیے کافی ہیں، اللہ رب العزت نے الوہیت کا ہشت گانہ معیار بیان فرمایا ہے، یعنی اللہ وہ ہے جو:

- (۱) اپنے بندوں یا بندے پر فرقان نازل کر سکے۔
- (۲) ساری کائنات پر حکومت کر سکے۔
- (۳) اُس کا کوئی فرزند یا رشتہ دار نہ ہو (مثلاً بیوی پچے)
- (۴) اُس کا کوئی شریک یا معین نہ ہو۔
- (۵) وہ خالقِ کائنات ہو۔
- (۶) اس نے ہر شے کی تقدیر معین کر دی ہو۔
- (۷) وہ خود مخلوق یا مجبور یا مکحوم نہ ہو۔

(۸) وہ بلکہ صرف وہی، نفع اور نقصان، موت اور زندگی، صحت اور مرض، عزت اور ذلت، تو نگری اور افلات، راحت اور رنج کا مالک ہو۔

چونکہ کوئی انسان اس معیار ہشت گانہ پر پورا نہیں اُتر سکتا اس لیے منطقی طور پر بھی ثابت ہو گیا کہ کوئی انسان (خواہ وہ رسول کیوں نہ ہو) إِلَهٌ نَّبِيٌّ ہو سکتا۔



اسلام دشمنی میں

صلیبیوں کے فکری و عسکری حملے

رضی الدین سید

ساتویں صدی عیسوی میں جب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا ظہور ہوا تو عیسائیت نے اس نئے ابھرنے والے دین کو اپنا حریف تصور کر لیا اور کھل کر اس کے مقابل آگئی، حالانکہ اگر وہ اس دین پر غور و تذکرہ کرتی تو اسے اپنے عقیدے سے بہت قریب پاتی۔ محمد عربی ﷺ تو یوں بھی کسی خاص قوم یا خطے کے لیے مبعوث نہیں کیے گئے تھے بلکہ تمام بني نوع انسان کے لیے رحمۃ للعالمین تھے۔ نیز آپ پر نزول شدہ کتاب قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت مریم سلام علیہا کو بہت اچھے پیرائے میں یاد کیا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کے نام پر پوری ایک سورۃ بھی نازل کی گئی۔ عیسائی جس طرح حضرت مریم کو کنواری اور پاک مانتے ہیں، قرآن کریم نے اس سے بھی زیادہ انہیں پاکیزہ اور طاہرہ قرار دے کر یہودیوں کے غلیظ عقیدے پر بری طرح ضرب لگائی۔ اس لحاظ سے عیسائیوں کو بنی اکرم ﷺ سے ایک گونہ محبت ہونی چاہیے تھی، لیکن انہوں نے ایک بالکل ہی دوسرا راستہ اختیار کیا۔ جنگ کاراستہ مقابلے کاراستہ اور مٹا دینے کاراستہ!

عیسائیت حیران تھی کہ جس مذہب نے روم ایمپائر کی شکل میں ساری دنیا پر حکمرانی کی تھی وہ اسلام کی زد میں کیسے آگیا! دنیا اس وقت دو بڑے کمپیوں میں بٹی ہوئی تھی۔ رومی سلطنت تھی یا پھر ایرانی بادشاہت! ہرقل روم نے ایرانی بادشاہت کو بھی ۲۳۸ء میں آخر کار زیر کر لیا تھا۔ عیسائیت کو اس بات کا بہر حال جواب نہیں مل پا رہا تھا کہ یہ مسلمان کیسے نئے فتح تھے کہ بجائے زیر ہونے کے خود ابدی آقا (میسیحیت) کو بھی انہوں نے زیر کرنا شروع کر دیا تھا! یہودیوں کی ماہنامہ میثاق = فروری 2022ء

تعداد چونکہ سدا سے کم رہی ہے، عالمی خطے میں تب کوئی ایک ملک بھی انہیں حکمرانی کے لیے میسر نہ تھا، اس لیے عیسایوں نے انہیں آسانی سے دبایا تھا۔ مسلمان چونکہ ایک سیلِ رواں بنتے جا رہے تھے، اس لیے تلوار کے ذریعے انہیں زیر کرنا عیسایوں کے لیے ممکن نہ رہا تھا۔

صلیبی جنگیں

صلیبیوں نے اپنے سامنے ہمیشہ ہی سے د مقاصد رکھے ہیں: اولاً مسلمانوں سے مفتوحہ علاقے واپس لے لیں، اور ثانیاً پوری دنیا کو عیسائی بنالیں۔ ان دونوں مقاصد کے لیے انہیں پروپیگنڈے، اشتغال انگلیز تحریروں، تقریروں اور خوفناک جنگوں کی ضرورت تھی جس کا انہوں نے بھرپور استعمال کیا۔ اسلحے کے بل پر مسلمانوں کو زیر کرنے کے لیے انہوں نے کئی بار صلیبی جنگوں کا سلسلہ چھیڑا جن میں انہیں عمومی کامیابی مگر بالآخرنا کامی کا سامنا کرنا پڑا۔

انہوں نے تمام روم اور پھر فلسطین کو ارضِ مقدس قرار دیا اور ان کے حصول کی خاطر روا رکھی جانے والی جنگوں کو جنگِ مقدس کا نام دیا۔ ان جنگوں میں عیسایوں پر ہمیشہ مذہبی جنون طاری رہا۔ دور و نزدیک کے ہر ملک سے عیسائی، مسلمانوں کے خلاف کھنچے چلے آتے تھے۔ ان کے پادری اشتغال انگلیز تقریریں کر کے اور حضرت عیسیٰ و مریم ﷺ کا حوالہ دے کر عوام کو اندھے مذہبی جنون میں مبتلا کرتے تھے۔ حالت یہ ہو گئی تھی کہ لوگ اپنے سینوں پر گرم لو ہے سے صلیب کاششان داغنے لگے اور جنگوں میں شرکت کے لیے جائیدادیں معمولی قیمت پر فروخت کرنے لگے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے لشکر کے آگے آگے رواں دواں رہتے تاکہ جنگی افراد کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں اپنی جانیں نچھا در کر دیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے گھر بار، وطن، خاندان، کھیت، کھلیاں اور زندگی کی ہر آسائش سے منہ موڑ لیا۔ ایک رومی پادری ”اربن ثانی“ نے ۱۰۹۵ء میں اپنے پورے زورِ خطابت کے ساتھ تقریریں شروع کیں جن میں عیسایوں کو اسلامی خطروں کے خلاف متحد ہو جانے اور ظالم ”سراسینیوں“ (صحرانشینوں: عربوں اور مسلمانوں کے خلاف مغرب کی ایک غیر اخلاقی اصطلاح) سے یروشلم کی حفاظت کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔

اس دور میں عیسایوں کے مذہبی جذبات بھڑکانے کے لیے جس قسم کی تقریریں کی جاتی تھیں، ان کے بعض نمودے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

(۱) افسوس اے عالمِ میسیحیت، صد افسوس! دشمن یروشلم پر قابض ہو گیا ہے، مقدس صلیب کھو گئی ہے، اور ہماری فوج بر باد ہوئی ہے۔ افسوس کہ سمندر پار دجالی قوتیں برسرا قتدار آگئی ہیں، مشرق میں شیطان کے جھنڈے بلند ہو گئے ہیں، اور مسلمانوں نے یروشلم کو پامال کر دیا ہے۔ (نجیل کی ایک عبارت۔ کتاب ”سلطان صلاح الدین ایوبی“، از ہیراللہ لیم، مترجم محمد یوسف عباسی، ص ۱۵۹۔ مشتاق بک کارنڑ اردو بازار لاہور)

(۲) عیسایوں کی شکست محس ان کے گناہوں اور بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ اگر خلوصِ دل سے دوبارہ چد و جہد کی جائے تو خدا کے فضل سے عیسایی کامیاب ہوں گے اور اس مقدس شہر پر صلیب کے پھریرے لہرائیں گے جو سنگ و خشت کا مجموعہ نہیں بلکہ نجاتِ آخرت کا ذریعہ اور فلاح کا زینہ ہے۔ (ایضاً، ص ۳۳۷)

(۳) ہم نے حلف اٹھایا ہے کہ جیتے جی یروشلم سے دستبردار نہ ہوں گے۔ ہم اپنے گھوڑوں اور مویشیوں کو ذبح کر دیں گے۔ ساز و سامان کو جمع کر کے آگ لگادیں گے۔ گرجوں، قربان گاہوں، تبرکات اور پارچہ جات کو نذرِ آتش اور عورتوں اور بچوں کو تہ تبغ کر دیں گے۔ پھر ہمارے پادری اور سپاہی موت کو للاکارتے ہوئے تم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ (ایضاً، ص ۱۵۱)

(۴) افسوس ہے عیسایوں پر، گناہ گاروں اور سرکشوں پر، افسوس ہے ان پر جنہوں نے اس عظمتِ جہاں یروشلم کو کھود دیا۔ (ایضاً، ص ۱۵۹)

(۵) تمہیں کیا پروا کہ دشمنانِ خدا ہماری تذلیل کریں۔ تمہیں ان کے طعنوں سے کیا واسطہ! وہ ہمیں للاکارتے ہیں: ”بلاؤ اب تمہارا خدا کہاں ہے؟ ہم نے تو تمہارے مقدس مقامات پامال کر دیے ہیں۔ ہم نے تو تمہارے اسلاف کی تو ہم پرستی کے اکھاڑوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔ ہمت ہے تو آؤ اب مقابلے میں! ہم نے فرانسیسیوں کے نیزے توڑ دیے ہیں، انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیے ہیں، جرم بہادروں کو نیچا دکھادیا ہے، اور ہسپانوی سورماوں کو مار بھاگا دیا ہے۔ اب بلا و تم کسے بلا تے ہو؟ ہم نے تمہاری عورتوں کو ایسا داغ بیوگی دیا ہے کہ تمہارے گھروں سے اب سوگ کبھی ختم نہیں ہو گا۔ ہم نے تمہارے بچوں کو یتیم بنایا کر خوشیاں ہمیشہ کے لیے چھین لی ہیں۔“ (ایضاً، ص ۳۵۸)

(۶) خدارا یروشلم کی مدد کرو! خداوند یسوع کے مقدس شہر میں ابدی نجات کی راہیں کھلی ہیں۔

آؤ ابدی نجات کے طلبگار و آؤ! صلیب کی حفاظت کے لیے جانیں لڑادو۔ عیسائیت کے دشمنوں کو فنا کر دو۔ (ایضاً)

امریکی مصنف ”رون ڈیوڈ“ لکھتا ہے کہ ”ان تقریروں کے نتیجے میں مذہبی جذبات کے جوش میں اندر ہے ہو کر دانشور، روساء، سرکاری ذمہ دار، اور عام لوگ سب کے سب مل کر چلا اٹھئے: شاید خدا کی مرضی بھی ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے اسباب باندھنے شروع کر دیے۔ پوپ کی ہدایت پر ہزاروں افراد اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ بڑے بڑے امیر خاندانوں کے بیٹے، جنہیں درٹے میں اپنے اپنے باپ کی زمینوں میں سے کچھ بھی نہ مل سکا تھا (صلیبی جنگوں کے نتیجے میں) وہ بھی اپنے لیے (فلسطین کی) نئی جائیدادیں حاصل کرنے کے لیے خصوصی طور پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ۱۰۹۳ء میں درباری امراء اور شہزادوں نے یروشلم کی طرف اپنا پہلا مارچ شروع کیا جس کی خاطر انہوں نے اپنے لمبے لباسوں پر سامنے کی طرف صلیبیں آویزاں کیں۔ آخر کار ۱۰۹۹ء میں یہ صلیبی یروشلم پہنچ ہی گئے۔ مقدس شہر کی طرف پہنچ کر وہ خوشی سے اتنے دیوانے ہوئے کہ ان میں سے بیشتر لوگوں نے گھٹنوں کے بل پر جھک کر زمین کو بوسہ دیا اور بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ چیخنے لگے: یروشلم، یروشلم!“ (ترجمہ کتاب ”قویں جو دھوکا دیتی رہیں“، کراچی۔ ترجمہ رقم۔ ص ۳۸)

ایک اور مغربی مصنفہ لکھتی ہے: ”جون ۱۰۹۹ء کی صلیبی جنگ میں یورپ کے صلیبی مجاہد جب یروشلم کے گرد جمع ہوئے تو شہر مقدس پر پہلی نظر پڑتے ہی ان پر ایک سکتے کی کیفیت پیدا ہو گئی جو بعد میں آہستہ آہستہ مسلمانوں اور یہودیوں کے خلاف غیظ و غضب میں تبدیل ہو گئی۔ اس کے بعد تین دن تک یہ صلیبی یروشلم میں منظم قتلِ عام کرتے رہے جس میں تیس ہزار کے قریب شہریوں کو انہوں نے تہیق کیا اور نظر آنے والے ہر ترک اور عرب مسلمان کا سر قلم کیا۔ مسجدِ اقصیٰ کی چھت پر دس ہزار مسلمان پناہ لیے ہوئے تھے، لیکن انہوں نے انہیں بھی چن چن کر قتل کیا۔ جو سپاہی یا افسر سب سے پہلے جس گھر میں داخل ہو جاتا، بلا شرکت غیرے وہ اس کا مالک ہو جاتا۔ تمام گلیاں خون سے لتھڑی ہوئی تھیں۔ (ایک شہر تین مذاہب۔ کیرن آرم سڑانگ۔ ص ۳۰۔ تخلیقات، لاہور)

صلیبی لشکریوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ وہ لوگ خدا کا منتخب گروہ ہیں اور خدا ہی ماہنامہ میثاق فروری 2022ء (66)

نے انہیں یہ صلیبی جنگ لڑنے کے لیے تیار کیا ہے۔ مسجد اقصیٰ کو انہوں نے اصطبعل کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور اس میں اسلحہ اور سامان رسید بھی رکھنا شروع کر دیا تھا۔ (ایضاً، ص ۳۲۲) اس جنگ میں بعض عیسائیٰ اپنے ساتھ عورتوں کا جھنڈ بھی ساتھ لے کر آئے تھے تاکہ موقع ملتے ہی ان سے تسکین حاصل کر سکیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبیٰ کے دور کی جنگ میں عیسائیوں کی شکست کی ایک وجہ ان کی یہ بیماری بھی تھی۔

(بحوالہ کتاب ”أُف يه پادری“، ازمتین خالد۔ ص ۱۱۸۔ علم و عرفان پبلشرز لاہور)

صلیب کی یہ جنگیں کئی عشروں تک لڑی گئیں حتیٰ کہ سلطان صلاح الدین ایوبیٰ نے ۱۸۷۱ء میں ان عیسائیوں کو جنگی طور پر ہمیشہ کے لیے مغلوب کر لیا۔ ان جنگوں میں عیسائیوں نے مسلمانوں کو گا جرمولی کی طرح کاٹا تھا اور بے انتہا دہشت گردی دکھائی تھی۔ بقول رون ڈیوڈ: ”عرب اس سارے معاملے سے ششدروہ گئے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ آخر ان کا ایسا کون ساقصور ہے جس کے باعث سارے عیسائیٰ ان پر حملہ آور ہو گئے ہیں!“ (قو میں جودھو کا دیتی رہیں۔ ترجمہ راقم، ص ۳۰)

علمی حملہ

جنگوں کے ساتھ ساتھ عیسائیوں نے اسلام کے خلاف علمی لحاظ سے بھی حملہ شروع کر دیے تھے اور جس طرح کے تمثیرخانہ خاکے وہ آج تخلیق کر رہے ہیں، اسی طرح کی مضحكہ خیز چیزیں انہوں نے سترھویں صدی ہی سے شروع کر دی تھیں۔ مثلاً ایک مقام پر ان مستشرقین نے کہا کہ ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)“ نے ایک سفید کبوتر پالا تھا جو ان کے کندھے پر بیٹھ کر کان سے دانہ نکال کر کھاتا تھا، جس کا مقصد عام لوگوں کو یہ یقین دلانا ہوتا تھا کہ ایک فرشتہ کبوتر کی شکل میں ان کو وحی پہنچا رہا ہے۔“ (کتاب ”اسلام اینڈ دی ویسٹ“، از فلپ کے حتیٰ، ص ۵۳)

ایک اور مستشرق نکلسن نے قرآن پاک کے بارے میں لکھا کہ ”قرآن، انجلیوں کے مسٹر دا اور غیر مصدقہ مواد پر مبنی کتاب ہے۔“ (کتاب ”انٹر وڈ کشن ٹو کوران“، px, xix)۔ ایک دوسرے مستشرق ”روڈ لنسن“ نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھا کہ ”اگر چہ وہ ایک غیر مخلص انسان نہیں تھے لیکن قرآن کو سمجھنے میں انہیں غلطی ہوئی تھی۔“

”قرآن پاک کا عیسائی مترجم M Rodwell“ اپنے انگریزی ترجمے

مطبوعہ ۱۹۰۹ء کے دیباچے میں ہرزہ سرائی کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”جس انہتائی خفیہ انداز سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودی ربیوں اور عیسائی دوستوں سے ہدایات وصول کیں، اس کے باعث مگر کے جاہل اور بے دین سرداروں کے سامنے انہیں یہ اعلان کرتے ہوئے کوئی جھجک نہیں رہی کہ ان کی زبان سے بیان کردہ قدیم داستانیں ان پر خدا نے وحی کی ہیں۔ رفتہ رفتہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی یقین ہو گیا کہ وہ اللہ ہی کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ وہ طویل عرصے تک (نعوذ باللہ) خود فرمی میں بتلا رہے۔ انہیں (حاشا وکلا) مرگ کی بیماری تھی۔ اُداسی، خوشی اور بے ہوشی وغیرہ کے باعث ان کے لیے خود کے بارے میں ”خدائی پیغمبر“ ہونے کا دعویٰ کرنا بہت آسان ہو گیا تھا۔ تاہم اصولوں اور کردار کی بعض اہم کمزوریوں کے باوجود انہوں نے عرب دنیا پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ ایک ایسا کارنامہ جو دنیا میں شاید ہی کسی نے انجام دیا ہو۔ قرآن پاک میں غلامی، قتل، ظلم اور کثرتِ ازواج پر اصرار کیا گیا ہے۔ انسانیت کو ایک جھوٹا مذہب عطا کرنے پر (معاذ اللہ!) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہم کتنا ہی بڑا مجرم قرار دیں لیکن ان کی ذاتی نیکیوں کا بہر حال انکا نہیں کیا جاسکتا۔“

اسی طرح ایک اور نامور مستشرق ولیم میور نے اپنی کتاب ”لائف آف محمد“ میں لکھا کہ (نعوذ باللہ!) ”محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی وحی پر خود بھی کامل یقین نہیں تھا۔“ (مستشرقینِ مغرب کا انداز فکر۔ ڈاکٹر عبدالقدار جیلانی، کراچی، ص ۲۱۳، ۲۱۸)۔ دوسری طرف مارٹن لوٹھر نے امریکہ میں گز شتہ صدیوں کی اسلام دشمن تحریریں جمع کر کے ان کی ایک کتاب شائع کی۔ اس نے لکھا کہ ”شیطان، سراسین (صحرائشین) اور ترک سب کے سب ایک ہی شے کے مختلف نام ہیں۔“ اس نے اسلام کو اپنا سب سے بڑا شمن قرار دیا اور کہا کہ عیسائیوں کے دشمن دو ہیں: اندروںی طور پر یورپ اور بیرونی طور پر اسلام۔“ (ایضاً، ص ۱۳۹، ۲۰۲)

جب تک اسلام میدانِ جہاد میں عیسائیوں کے مددِ مقابل رہا اور ان پر غالب آثارہا، مستشرقین کی زبان گندی اور مضحكہ خیز رہی۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن کریم اور اسلام کے لیے تو ہیں آمیز زبان اور رکیک جملے استعمال کیے۔ ایک خیال یہ بھی پھیلا یا گیا کہ مسلمان کچھ زیادہ ہی کافر (pagan) ہیں کیونکہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پوجا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں قائم شدہ فورٹ ولیم کالج اور ایشیا ملک سوسائٹی کے پس پرده بھی یہی مقاصد پوشیدہ تھے۔

بعد کے ادوار میں جب سیاسی طور پر اسلام میں اضحکال چھانے لگا اور مسلمان ان سے مابہنامہ میثاق

مغلوب ہونے لگے، جو اٹھا رہو یہ صدی کا دور تھا، تو مستشرقین نے نسبتاً سنجیدگی اختیار کرنا شروع کر دی۔ اب ان کے ہاں اسلام کے اثرات کو محسوس کیا جانے لگا اور کڑوی بات میٹھی زبان میں کہی جانے لگی۔ تاہم چونکہ اسلام مضمحل اور پسپا ہورہا تھا اور اس کا اقتدار ڈوب رہا تھا، اس لیے ان کی زبان میں آقائیت در آئی تھی۔ اسی لیے انیسویں صدی کی ان کی تحریر میں احساسِ برتری سے پڑھیں۔ البتہ جیسے جیسے سیاسی خطرہ کم ہوتا گیا، ان کی اسلام دشمنی کی شدت میں بھی کمی آنے لگی۔ پھر جب مغرب اہل اسلام پر حاوی ہو گیا تو انہیں اسلام کو صحیح طور سے سمجھنے کی توفیق نصیب ہوئی اور اپنی تحریروں سے انہوں نے بے سرو پا قصے خارج کرنے شروع کر دیے۔ تھامس کارلائل بھی اسی دور کے سمجھدار مصنفوں میں سے ایک ہے۔ وہ پہلا دانشور ہے جس نے نبی مکرم ﷺ اور قرآنِ پاک کی تعریف کی اور پہلے سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کی تردید کی ہے۔

عیسائیت چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے موسم مذہب ہے، اس لیے عیسائیوں نے اسلام کو بھی ایک ایسا ہی مذہب سمجھا اور اسے ”محمد نزم“ کہہ کر پکارنا شروع کیا۔ تاہم اب اکیسویں صدی میں جا کر عیسائیوں کا یہ رجحان ختم ہوا ہے۔ آج جو ہمیں آکسفورد، برمنگھم اور دیگر غیر ملکی یونیورسٹیوں میں اسلامی شعبہ جات قائم ملتے ہیں، یہ دراصل عیسائیوں کی انہی مستشرقانہ کوششوں کا نتیجہ ہیں۔

احادیث پر بھی ان دانشوروں کی زبانیں دراز رہی ہیں تاکہ اپنے لوگوں اور مسلم عوام کو ان کے بارے میں شکوک میں بستلا کریں۔ مشہور مستشرقین ”گولڈزیہر اور اسپرنگز“ نے بتایا کہ عقائد اور رسوم و رواج میں تبدیلی کے لیے حسب ضرورت احادیث وضع کی گئیں اور ان کے الفاظ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے منسوب کیے گئے۔ انہوں نے لکھا کہ قرآنی بحثوں میں جب بھی کوئی نزاع پیدا ہوا تو احادیث گھڑ کر بحثیں طے کی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث کے ذخیرے میں متضاد احادیث پائی جاتی ہیں۔

ایک اور مستشرق نکسن ڈی ورڈ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ”مسلمانوں کا مبلغ جب اپنے عقائد کی تبلیغ کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو خطبہ ختم ہونے تک اس کے ایک ہاتھ میں تلوار رہتی ہے، یا پھر یہ تلوار کسی ایسے بلند مقام پر رکھی ہوتی ہے کہ وہ سب کی نظر وہ میں رہے، تاکہ اسے دیکھ کر ہر شخص خوف زدہ رہے۔“ (مستشرقین کا اندازِ فکر۔ ڈاکٹر عبدالقدار جیلانی۔ ص ۱۸۹)

مستشرقین کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے سے پہلے چلتا ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کو اپنے مذہب سے ہمیشہ حقیر سمجھا، اسی طرح جیسے یہودی قوم عیسائیت، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائی عبادات کو آج بھی حقیر گردانتی ہے۔ ان مفکرین نے دنیا پر تیزی سے چھا جانے والے اسلام کو سنجیدگی سے سمجھنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کی، بلکہ ہمیشہ طعن و تشنیع کے ذریعے حقیر ہی کرنا چاہا۔ کوشش کی کہ اسلام کی اشاعت کسی بھی طرح رک جائے۔ عیسائی دنیا کا آج بھی یہی حال ہے۔ وہ اسلام کو اب بھی ایک ایسا مذہب گردانتے ہیں جو دہشت گرد، اجداد اور جنگجو ہے۔ خوش قسمتی سے اکیسویں صدی میں اسلام ایک بار پھر ابھرتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اس لیے عیسائی حکمرانوں اور اہل قلم نے اس کے خلاف اپنے ہتھیار ایک بار پھر تیز کر لیے ہیں۔ صلیبی جنگوں کا سلسلہ جو پہلے چلتا ہی رہتا تھا، غیر محسوس انداز میں ایک بار پھر جاری ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور اسری نعمانی جیسی مبغوض شخصیتوں کو مکمل تحفظ دیتے اور اسلامی پردازے اور خاندانی نظام کو بطورِ خاص نشانہ بناتے ہیں۔ مسلم خواتین کے چھوٹے سے نقاب کو تمام مغربی دنیا نے اپنے نشانہ انتقام پر رکھا ہوا ہے جبکہ ہر داڑھی والے فرد کو وہ بیٹھے بٹھائے دہشت گرد پکارا ٹھنتے ہیں۔ چند سال پہلے جرمنی کی ایک عدالت میں ایک مکمل باحجاب مصری خاتون کو نجح اور دیگر افراد کے سامنے چاقو مار کر ہلاک، جبکہ اس کے شوہر کو سخت زخمی کر دیا گیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان تمام ہتھکنڈوں کے باوجود اسلام کی اشاعت نہ پہلے کبھی رک سکی تھی اور نہ اب کوئی روک سکتا ہے۔ قبولِ اسلام کی رفتار اب خود یورپ اور امریکہ میں اس قدر تیز ہو گئی ہے کہ خود ان کے دانشور و مفکرین عیسائی آبادی کے اقلیت میں تبدیل ہو جانے، اور اپنے اکثر شہروں کے مسلم شہروں میں ڈھل جانے کا خوف محسوس کر رہے ہیں۔

کاش، ان عیسائیوں نے اسلام کو دشمنی کی بجائے سنجیدگی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی ہوتی۔ تب انہیں اندازہ ہوتا کہ یہ دین تو تمام انسانوں کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ اگر اسلام کے سنهری اصول اور اخوت و محبت کی ہدایات نہ ہوتیں تو اپسین اور اندرس میں عیسائی رعایا مسلم مجاہدوں کا از خود استقبال نہ کرتی۔ تب انہوں نے عیسائیت کے مقابلے میں اسلام ہی کو اپنے لیے باعثِ رحمت سمجھا تھا!



خوفِ خدا اور فکرِ آخرت

پروفیسر محمد یونس جنجوہ

ہر انسان کو دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے ایک مہلت ملی ہوئی ہے۔ یہ مہلت گزارنے کے بعد انسان کو موت سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دوسری اور حقیقی زندگی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اسلام کی یہ واضح تعلیم ہے کہ زندگی کی مہلت عمل کرنے کا وقفہ ہے۔ یہاں انسان کو آزادی ہے کہ جس طرح چاہے، اپنی زندگی گزارے۔ اُسے یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ زندگی اور موت پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ شرفِ انسانیت یعنی عقل سے کام لے کر اپنی زندگی اچھے کاموں میں گزارے اور بُرا یوں سے باز رہے۔ اچھائیوں اور بُرا یوں کی یہ پہچان اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں رکھ دی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿فَآلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَهَا﴾ (الشمس) ”پھر اس (نفس انسانی) کو بُرے کاموں اور اچھے کاموں کی سمجھ دے دی“۔ اب انسان کی مرضی ہے کہ وہ نفسانی خواہشات میں پڑ کر اپنی زندگی اللہ کی نافرمانی میں گزار دے یا خالق کو پسند آنے والے اعمال سرانجام دے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَ كُمْ أَيْكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً طَوْهُ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ﴾ (الملک) ”اُس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے کام کرتا ہے۔ اور وہ زبردست بخشنے والا ہے۔“ گویا موت و حیات کا مقصد انسان کی آزمائش ہے۔ یہ دُنیا دار العمل ہے اور موت کے بعد انسان دار الجزا میں ہوگا۔ وہاں اس کی نیکیاں اور بُرائیاں تولی جائیں گی اور اس کے لیے جتنت یادو زخ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

چونکہ دُنیاوی زندگی کے اعمال پر انسان کی اُخروی کامیابی یا ناکامی کا دار و مدار ہے اس لیے انسان کو بار بار یاد دلا یا گیا ہے کہ اس زندگی کے ماہ و سال کو غنیمت سمجھے اور ہمہ وقت موت کو یاد رکھے۔ اچھے کام کرے اور بُرے کاموں سے باز رہے، کیونکہ موت وہ لمحہ ہوگا جس کے ساتھ

ہی عمل کرنے کی مہلت ختم ہو جائے گی۔ انسان ہزار پچھتائے کہ میں اچھے کام کرتا مگر یہ نداشت بے سود ہوگی۔ اسلامی تعلیمات میں دی گئی یہ ہدایت عقل سلیم کے عین مطابق ہے کہ کبھی کبھی قبرستان میں جایا جائے تاکہ یہ خیال تازہ ہو جائے کہ یہ سب لوگ اپنی مہلت عمر گزار کر یہاں دفن ہو چکے ہیں۔ ان کی عملی زندگی ختم ہو چکی ہے، اب صرف ان کے اعمال ہی ان کے کام آئیں کے اور غقریب میں بھی یہاں ایک قبر میں دفن ہو جاؤں گا۔

ایک دن ایسا آئے گا کہ تمام کائنات ختم کر دی جائے گی۔ اُسے قیامت کا دن کہتے ہیں۔ وہ دن بڑا ہولناک ہو گا۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر قیامت کا ذکر ہے۔ آخری پاروں میں تو سراسر قیامت ہی کا تذکرہ ہے۔ سورۃ القارعہ میں فرمایا: ﴿يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاثَى الْمَبْثُوثِ ۲ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَثْفُوشِ ۳ فَآمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۴ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۵ وَآمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ۶ فَأُمَّةٌ هَاوِيَةٌ ۷ وَمَا أَدْرَكَ مَاهِيَةُ ۸ نَارٍ حَامِيَةٌ ۹﴾ ”اس دن انسان ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پنگے اور پھاڑا ایسے ہوں گے جیسے دھنکی ہوئی رنگ بھرنگی روئی۔ تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے، وہ دل پسند عیش میں ہو گا۔ اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے، اُس کا ٹھکانہ ہاویہ ہو گا۔ اور تم کیا سمجھو کہ ہاویہ کیا چیز ہے۔ وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔“ اُس روز تمام انسان دنیا میں کیے ہوئے اپنے کاموں کا حساب دینے کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔ جن لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرماں برداری میں زندگی گزاری ہوگی ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جنت میں ایسی بے مثال نعمتیں ہوں گی کہ نہ کسی نے وہ آنکھوں سے دیکھی ہوں گی نہ کانوں سے سنبھالیں گی، اور نہ ہی کسی انسان کے ذہن میں ان جیسا تصور آیا ہو گا۔ جن لوگوں نے دنیا کی زندگی نفسانی خواہشات کے تابع گزاری ہوگی اور اللہ اور رسول کی نافرمانی والے اعمال کیے ہوں گے وہ جہنم میں جائیں گے۔ جہنم آگ کا الا وہ ہو گا جس کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گناشد یہ ہو گی۔ صاف ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنی جنت یا دوزخ دنیا کی زندگی میں خود ہی تیار کر رہا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے!

جنت کا ذکر قرآن مجید میں بارہا آیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ﴿وَالَّذِينَ أَمْنُوا وَعَمِلُوا الصِّلَاحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ خَلِدِينَ فِيهَا طَبَقَاتٍ نِعْمَةً أَجْرُ الْغَيْلِيْنَ ۝ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝﴾ (العنکبوت) ”اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو ہم بہشت کے اوپر نچے اوپر مخلوقین میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہ رہیں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ (نیک) عمل کرنے والوں کا یہ خوب بدلہ ہے۔ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا کرتے ہیں۔“

سورۃ الزخرف میں ارشاد ہے: ﴿وَأَنْتُمْ فِيهَا خَلِدُونَ ۝ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورْثُتُمُوهَا إِمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ لَكُمْ فِيهَا فَآكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ ۝﴾ ”(اے اہلِ جنت) تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہ جنت جس کے تم مالک بنادیے گئے ہو تو تمہارے اعمال کا صلحہ ہے۔ اس میں تمہارے لیے بہت سے پھل ہیں جن کو تم کھاؤ گے۔“

دو زخیروں کا ذکر بھی قرآن مجید میں کئی جگہ ہے۔ سورۃ الزخرف ہی میں ہے: ﴿إِنَّ الْمُجْرِمِينَ فِي عَذَابِ جَهَنَّمَ خَلِدُونَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلِكُنْ كَانُوا هُمُ الظَّلِيمِيْنَ ۝ وَنَادُوا يَمِيلِكَ لِيَقْضِي عَلَيْنَا رَبُّكَ طَقَالَ إِنَّكُمْ مُّكْثُونَ ۝﴾ ”اور گنہگار دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ جوان سے ہلکانہ کیا جائے گا اور وہ اس میں نا امید ہو کر پڑے رہیں گے۔ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہی (اپنے آپ پر) ظلم کرتے تھے اور پکاریں گے اے مالک (داروغہ جہنم) تمہارا پروردگار ہمیں موت دے دے۔ وہ کہے گا کہ تم ہمیشہ (اسی حالت میں) رہو گے۔ سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِإِيمَانِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهُمْ نَارًا طَ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَلَنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ط﴾ (آیت ۵۶) ”جن لوگوں نے ہماری آئیوں سے کفر کیا ان کو ہم عنقریب آگ میں داخل کریں گے۔ جب بھی ان کی کھالیں گل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ اور کھالیں بدال دیں گے تاکہ عذاب کا مزاج چکھتے رہیں۔“

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نیک و بد اعمال کے نتائج کی خبر کرنا تھی اس لیے آپ کو جنت اور دوزخ کا مشاہدہ سر کی آنکھوں سے کرا دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت و دوزخ کا وہ حال بیان کر دیا جس کا ان کو مشاہدہ کرا دیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں بتاتا ہوں مہنامہ میثاق = فروری 2022ء (73)

کہ اگر تم لوگ لذتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو تو وہ تمہیں اس غفلت میں بدلانا ہے ہونے دے گی۔ الہذا موت کو یاد کرو..... حقیقت یہ ہے کہ قبر ہر روز پکارتی ہے کہ میں مسافرت اور تنہائی کا گھر ہوں۔ میں مٹی اور کیڑوں کا گھر ہوں۔ آپ نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ مرنے کے بعد جب بندے کا واسطہ اس زمین سے پڑتا ہے جس کے وہ سپرد ہوتا ہے تو اگر وہ حقیقی مؤمن ہو تو زمین کسی عزیز اور محترم مہمان کی طرح اس کا استقبال کرتی ہے اور کہتی ہے: مر جبا خوب آئے اور اپنے ہی گھر آئے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جتنے لوگ میرے اوپر چلتے تھے ان میں سب سے زیادہ محبوب اور چھیتے مجھے تم ہی تھے۔ آج جب تم میرے سپرد کر دیے گئے ہو اور میرے پاس آگئے ہو تو تم دیکھو گے کہ میں تمہارے ساتھ کیا اچھا سلوک کرتی ہوں۔ پھر وہ زمین اس بندہ مؤمن کے لیے حدِ زگاہ تک وسیع ہو جاتی ہے اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ جب کوئی سخت بدکار قسم کا آدمی زمین کے سپرد کیا جاتا ہے تو زمین اس سے کہتی ہے کہ جتنے آدمی میرے اوپر چلتے پھرتے تھے تو مجھے ان سب سے زیادہ مبغوض تھا۔ آج تو میرے حوالہ کر دیا گیا ہے اور میرے قبضے میں آگیا ہے تو تو ابھی دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں۔ پھر وہ زمین ہر طرف سے اُس کو چھپتی اور دباتی ہے یہاں تک کہ اس دباؤ سے اس کی پسلیاں ادھر سے اُدھر ہو جاتی ہیں۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیوں میں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں ڈال کر ہم کو اس کا نقشہ دکھایا۔ پھر فرمایا پھر اس پر ستر اڑدھے مسلط کر دیے جاتے ہیں جن میں سے ایک اگر زمین پر پھنکار مارے تو رہتی دنیا تک وہ زمین کوئی سبزہ نہ اگا سکے۔ پھر یہ اڑدھے اسے کامٹے نو پھتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت اور حشر کے بعد وہ حساب کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باعیچوں میں سے ایک باعیچہ ہے یادوؤخ کی خندقوں میں سے ایک خندق ہے۔ (جامع ترمذی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا کہ میں نے اس جیسا خطبہ اب تک نہیں سنا تھا۔ اس میں آپ نے فرمایا: ”اگر تم اس چیز کو جان لو جس کو میں جانتا ہیں تو البتہ تم ہنسنا کم کر دو اور زیادہ رونے لگو۔“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) یہ سن کر اصحاب رسول نے اپنے چہروں پر کپڑے ڈال لیے اور رونے لگے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ماہنامہ میثاق

فروری 2022ء

(74)

﴿فَلَيَضْحِكُوا قَلِيلًا وَلَيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً مِمَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴾ (التوبہ) ”یہ لوگ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنس لیں اور (آخرت میں) ان کو ان کے اعمال کے بد لے جو وہ کرتے ہیں، بہت سارو نا ہو گا۔“ دنیا کی زندگی لہو و لعب، عیش پرستی اور آخرت کی زندگی کو بھلا کر ہنسی مذاق میں گزاری جائے تو انجام کاررونا، ہی پڑے گا۔ اس کے مقابلے میں دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا اچھا ہے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ عذاب کی سختیوں کو یاد کرتے اور کہتے: ”کاش میں ایک درخت ہوتا جو کاث دیا جاتا!“ (بحوالہ معارف الحدیث II)

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونا اللہ تعالیٰ کی رحمت لاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لَا يَلْجُ النَّارَ رَجُلٌ بَلْ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الصَّرْعِ)) (سنن الترمذی) ”دو ذخ کے اندر وہ شخص داخل نہیں ہو گا جس پر حق تعالیٰ کے خوف سے گریہ طاری ہو گیا یہاں تک کہ دودھن میں نہ لوٹ آئے۔“

اللہ تعالیٰ کو اس بندے کی حالت پر حرم آتا ہے جو اس کے خوف میں روتا اور گڑ کر اتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اللہ کے خوف اور ہیبت سے جس بندہ مومن کی آنکھوں سے کچھ آنسو نکلیں اگرچہ وہ مقدار میں بہت کم مثلاً مکھی کے سر کے برابر (یعنی قطرہ ہی کے بقدر) ہوں، پھر وہ آنسو بہہ کر اس کے چہرے پر پہنچ جائیں تو اللہ تعالیٰ اس چہرے کو دو ذخ کے لیے حرام کر دے گا۔“ (سنن ابن ماجہ)

موت کے بعد کی زندگی کا تصور کر کے خدا کے خوف سے آنسو بہانا وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور انسان کے گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتا ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی ہیبت سے کسی بندہ کے رو نگٹے کھڑے ہوتے ہیں تو اس وقت اس کے گناہ اس طرح جھپڑتے ہیں جیسے کسی پرانے سوکھے درخت کے پتے جھپڑتے ہیں۔ (رواہ البزار)

دنیاوی زندگی میں آخرت کی زندگی کو یاد رکھنا، خوفِ خدا سے آنسو بہانا، اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رضاوا لے کام کرنا، ہی اخروی زندگی کی کامیابی ہے۔



تفسیر کے ناقابل اعتبار مأخذ

بسیار علم تفسیر اور مفسرین کرام^(۹)

پروفیسر حافظ قاسم رضوان

(۲) صوفیاء کرام کی تفاسیر

قرآن مجید کی تفسیر میں صوفیاء کرام سے کچھ ایسی باتیں منقول ہیں جو بظاہر لگتی تو تفسیر ہیں مگر وہ آیت قرآنی کے ظاہری اور ماثور معنی کے خلاف ہوتی ہیں، جیسے سورۃ التوبہ میں ارشادِ بانی ہے: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلْوَنَ كُمْ مِنَ الْكُفَّارِ﴾ (آیت ۱۲۳) ”لڑائی کرو ان کافروں سے جو تم سے متصل (آس پاس) ہیں۔“ اس کی تشريع کے تحت بعض صوفیاء نے کہا: قاتلوا النفس فانها تلى الانسان ”نفس سے لڑائی کرو کیونکہ وہ سب سے زیادہ انسان سے متصل ہے۔“ اس قسم کے جملوں کو بعض لوگوں نے قرآن پاک کی تفسیر سمجھ لیا، حالانکہ درحقیقت وہ تفسیر کے ذیل میں نہیں آتے۔ صوفیاء کرام کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہوتا کہ قرآن کریم کی اصل مراد یہ ہے اور جو مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ آ رہا ہے وہ نہیں ہے بلکہ وہ قرآن مجید کے ظاہری مفہوم پر جو اُس کے اصل مأخذ سے ثابت ہو، پوری طرح ایمان رکھتے ہیں اور اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن پاک کی اصل تفسیر وہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ان وجدانی استنباط کو بھی ذکر کر دیتے ہیں جو اس متعلقہ آیت کی تلاوت کے وقت ان کے قلب پر وارد ہوئے۔ چنانچہ مذکورہ بالامثال میں صوفیاء کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس آیت میں جہاد و قتال کا حکم مراد نہیں بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ کفار سے جہاد و قتال کا حکم تو اس آیت کا اصل تقاضا ہے ہی، لیکن اس آیت سے وجدانی طور پر انسان کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ سب سے قریبی نافرمان تو اس کا نفس ہے جو اسے بُرا نیوں اور گناہوں پر آمادہ کرتا رہتا ہے، لہذا کفار سے جہاد و قتال کے ساتھ ساتھ اس

نفس سے بھی جہاد و قتال ضروری ہے۔ اس طرح یہ مفہوم تفسیر قرآنی کے خلاف نہیں رہتا۔

اسی طرح سورۃ البقرۃ میں فرمانِ الٰہی ہے: «فَلَا تَجْعَلُوا لِلّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝» ”پس ہرگز اللہ کے ساتھ شریک نہ بناؤ جبکہ تم جانتے بھی ہو“۔ اس آیتِ قرآنی کی تفسیر میں سہل بن عبد اللہ تستریؓ لکھتے ہیں کہ ’انداد‘ کے معنی ہیں ضد اور مخالف۔ نفسِ اشارہ سب سے بڑا مخالف ہے جو ہدایتِ خداوندی کے برعکس لوگوں کو خواہشاتِ نفس کی پیروی کی تلقین کرتا ہے۔ اس قول سے مستفاد ہوتا ہے کہ لفظ ’انداد‘ کا مفہوم وسیع ہے اور نفسِ اشارہ بھی اس میں شامل ہے۔ گویا آیت کے معانی یہ ہیں کہ کسی بنت، شیطان یا نفسِ اشارہ کو خدا کا شریک نہ ٹھہراو۔ اب ظاہری معنی سے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی، اس لیے کہ آیت کے سیاق و سبق اور قرآن و آثار سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ’انداد‘ سے وہ معبد مراد ہیں جن کی پوجا کی جاتی تھی، خواہ وہ بنت ہوں یا کچھ اور۔ اب ظاہر ہے کہ نفسِ اشارہ کی پوجا اور پرستش نہیں کی جاتی تھی، تاہم اس امر کا احتمال ہے کہ یہ مفہوم بھی صحیح ہو اور اس کی وجہ حسب ذیل ہے۔ صوفیاء عبرت پذیری کے نقطہ نظر سے کسی آیت قرآنی کے بعض ایسے معانی مراد لیتے ہیں جن کے بارے میں وہ آیت نازل نہیں ہوئی، اس لیے کہ وہ معنی اس آیت کے مقصد نزول سے ملتے جلتے ہوتے ہیں۔ سہل تستری نے جب یہ مفہوم بیان کیا تو ان کا مطلب شاید یہ نہ تھا کہ وہ اس آیت کی بس یہی تفسیر کر رہے ہیں، بلکہ ان کا منشاء یہ تھا کہ نفسِ اشارہ بھی شرعی اعتبار سے نہ (اللہ کا شریک) ہی ہے، اس لیے کہ نہ شریک اور مخالف کو کہتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ نفسِ اشارہ اس اعتبار سے رب کائنات کا شریک ہے کہ وہ نفسِ انسانی کو غلط اور گناہ کی راہ پر ڈالتا ہے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہے۔ لوگوں نے جو بنت بنار کھے تھے وہ بھی منشاءِ ربیٰ کی مخالفت کے لیے ہی تھے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ شبی سے وضو اور نماز کے معنی دریافت کیے گئے انہوں نے جواب دیا کہ اوقل الذکر فصل اور دوسرا وصل ہے۔ جب آدمی وضو کرتا ہے تو وہ دنیا سے علیحدگی اختیار کرتا ہے، یہ فصل ہے اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تو وہ اللہ کے حضور میں ہوتا ہے، اور یہ وصل ہے۔

صوفیائے کرام کے اس قسم کے اقوال اور اشارات کے بارے میں بہر حال درج ذیل امور کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(۱) ان اقوال کو قرآن مجید کی تفسیر قرار نہ دیا جائے، بلکہ یہ اعتقاد رکھا جائے کہ قرآن کریم کی ماہنامہ میثاق = فروری 2022ء (77)

اصل مراد وہی ہے جو کہ تفسیر کے اصل مآخذ سے سمجھ آتی ہے اور یہ اقوال یا اشارات محض وجدانی استنباط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ان اقوال کو قرآن کریم کی اصل تفسیر سمجھ لیا جائے تو پھر یہ گمراہی ہے۔ ابو عبد الرحمن سلمی نے ایک کتاب ’حقائق التفسیر‘ کے نام سے لکھی تھی جو کہ اسی قسم کے اقوال پر مشتمل تھی۔ اس کے بارے میں امام واحدی نے کہا کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ یہ تفسیر ہے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ (الاتفاق)

(ب) اس قسم کے اقوال میں سے بھی صرف ان اقوال کو درست سمجھا جاسکتا ہے جن سے قرآن کریم کی کسی آیت کے ظاہری مفہوم یا شریعت کے کسی مسلمہ اصول کی نفی نہ ہوتی ہو۔ اگر ان وجدانیات یا اقوال کے پردے میں دین اسلام کے مسلمہ اصول و قواعد کی خلاف ورزی ہو رہی ہو تو انہیں کسی صورت بھی قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ کسی بھی شخصیت سے منسوب ہوں۔ یہ کھلمن کھلا الحاد ہے۔

(ج) اس قسم کے وجدانی اقوال اور اشارات صرف اس وقت معتبر ہو سکتے ہیں جب وہ قرآن مجید کی تحریف کی حد تک نہ پہنچتے ہوں۔ اگر قرآن پاک کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر کوئی بات کہی جائے تو وہ بھی صریح الحاد اور گمراہی ہے، جیسے ایک شخص نے سورۃ البقرۃ کی آیت قرآنی ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ﴾ ”کون ہے جو شفاعت (سفارش) کر سکے!“ کے حوالے سے کہا کہ اصل میں مَنْ ذَلِيلٌ ذَلِيلٌ يَشْفَعُ ہے۔ ذلیل سے مراد نفس ہے اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص نفس کو ذلیل کرے گا، شفا پا جائے گا۔ علامہ سراج الدین بلقینی سے اس بارے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ایسا کہنے والا ملحد ہے۔ (الاتفاق)

(د) ماضی میں ملحدوں کا ایک فرقہ ’باطنیہ‘ کے نام سے گزرا ہے، جس کا دعویٰ یہ تھا کہ قرآن مجید سے ظاہری طور پر جو مفہوم و مطلب سمجھ میں آتا ہے، حقیقت میں وہ اللہ کی مراد نہیں ہے، بلکہ ہر لفظ سے ایک باطنی معنی اور مفہوم کی طرف اشارہ ہے اور وہی قرآن پاک کی اصل تفسیر ہے۔ اس اعتقاد کے کفر والحاد ہونے پر اجماع امت ہے۔ اب صوفیاء کے کسی قول کے بارے میں اس قسم کا اعتقاد رکھنا باطنیت اور کفر ہو گا۔ (بطور نمونہ باطنیہ کی تفسیر قرآن کے حوالے سے چند تاویلات ملاحظہ کریں۔ مثلاً ’وضو‘ سے مراد امام کی پیروی ہے۔ جو شخص غیر شعوری طور پر کسی راز کو افشا کر دے، اس سے دوبارہ رازداری کا عہد لینے

کو غسل، کہتے ہیں۔ ’کعبہ‘ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ ’باب‘ (دروازہ) سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ تکلیف سے آرام پانے کا نام ’جنت‘ ہے۔ مشقت الٹھانے کو جہنم کہا جاتا ہے۔ ’زکوٰۃ‘ کا مطلب یہ ہے کہ باطنی عقائد و احکام کا علم حاصل کر کے اپنے نفس کو پاک کیا جائے۔ وغیرہ۔

مندرجہ بالا چار امور کی رعایت کے ساتھ صوفیاء کرام کے اقوال و اشارات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے، اور بلاشبہ بعض مخصوص واردات اور احوال رکھنے والے اشخاص کو ان باتوں سے فائدہ بھی پہنچا ہے۔ اسی وجہ سے علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی، میں آیات قرآنی کی مکمل تفسیر لکھنے کے بعد ایک مستقل عنوان ’من باب الاشارة في الآيات‘، قائم کرتے اور اس میں اس قسم کے وجدانیات کا ذکر فرماتے ہیں۔ مذکورہ بالا ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ صوفیاء کرام نے تفسیر قرآن کریم کے تحت اپنے جو وجدانیات ذکر کیے ہیں، وہ قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہیں اور بعض لوگوں نے ان پر باطنیت کا جواز امام عائد کیا ہے، وہ بالکل درست نہیں۔ اس سب کے باوجود الاتقان کے حوالے سے حافظ ابن الصلاح کے اس ارشاد کو نقل کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا: وَمَعَ ذَلِكَ فِي الْيَتِيمِ لَمْ يَتَسَاهَلُوا بِمِثْلِ ذَلِكَ لِمَا فِيهِ مِنَ الْإِيْهَامِ وَالْأَلْبَاسِ (اس کے باوجود اے کاش! یہ حضرات اس قسم کے اقوال نقل کرنے میں اتنے تاہل سے کام نہ لیتے، کیونکہ ان میں غلط فہمی اور اشتباہ کی بڑی گنجائش ہے)۔ اس ضمن میں علامہ شاطبی کا کہنا ہے کہ صوفیاء سے یہ اقوال عبرت انگلیزی کے نقطہ خیال سے صادر ہوئے ہیں، تاہم ان کو قرآن پاک کے معانی پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حقیقت اپنی جگہ درست ہے کہ جن صوفیاء سے یہ اقوال صادر ہوئے ہیں، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم قرآن کی شرح و تفسیر کر رہے ہیں۔ یہ بات صوفیاء کے ساتھ حسن ظن کی آئینہ داری کرتی ہے (المواقفات)۔ اسی طرح تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں تحریر کیا ہے کہ بعض محققین نے جو یہ بات کہی ہے کہ اگرچہ نصوص کو ان کے ظواہر پر محمول کیا جاتا ہے، تاہم ان میں ایسے پوشیدہ اشارات بھی پائے جاتے ہیں جو ارباب سلوک پر ہی منکشف ہوتے ہیں، تو یہ بات ان کے کمال ایمان اور تمام عرفان کی غمازی کرتی ہے۔

آخر میں ثابت ہوا کہ متنزہ کردہ بالا شروع طبق صوفیاء کے اقوال و اشارات (تفسیر اشاری) میں موجود ہوں گی تو وہ مقبول ہوں گے۔ مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسے رد نہیں کیا جائے ماہنامہ میثاق 2022ء فروری (79)

گا۔ یہ معنی نہیں کہ اس کا تسلیم کرنا ضروری ہے۔ ردِ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ظاہر کے منافی نہیں اور کوئی شرعی دلیل اس کے معارض نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ اس کا تسلیم کرنا ضروری نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اقوال و اشارات و جدایات کے قبیل سے ہیں، اور وجدانیات کی اساس کسی دلیل و برہان پر نہیں رکھی جاتی۔ یہ ایک ایسی بات ہوتی ہے جو صوفی کے دل میں آتی ہے اور یہ صوفی اور اس کے رب کے درمیان ایک راز کی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے صوفی خود تو اس پر عمل کر سکتا ہے مگر کسی دوسرے کو اس کا پابند نہیں بناسکتا اور نہ ہی بنانا چاہیے، یہ دوسرے کی مرضی پر منحصر ہے۔

معروف مفسر علامہ محمود آلوی جن کی تفسیر میں صوفیائے کرام کے وجود اُن استنباطات بکثرت ملتے ہیں، صوفیاء کے منشاء کی تشرح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”قرآن کریم میں سادات صوفیاء سے جو کلام منقول ہے، وہ درحقیقت ان دقیق امور کی طرف اشارے ہوتے ہیں جوار باب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں، اور ان اشارات میں اور قرآن کریم کے ظاہری مفہوم میں جو حقیقتہ مراد ہوتا ہے، تطبیق ممکن ہے۔ صوفیاء کا یہ اعتقاد نہیں ہوتا کہ ظاہری مفہوم مراد نہیں اور باطنی مفہوم مراد ہے، اس لیے کہ یہ تو باطنی ملحدوں کا اعتقاد ہے جسے انہوں نے شریعت کی بالکلیہ نفی کا زینہ بنایا ہے۔ ہمارے صوفیائے کرام کا اس اعتقاد سے کوئی واسطہ نہیں اور ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جبکہ صوفیاء نے یہ تاکید کی ہے کہ قرآن مجید کی ظاہری تفسیر کو سب سے پہلے حاصل کیا جائے۔ (مقدمہ روح المعانی)

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فہم قرآن کا میدان بہت وسیع ہے جو شخص اولین و آخرین کے علوم سے آگاہ ہونا چاہتا ہے وہ قرآن کا (بغور) مطالعہ کرے۔ خود قرآن حکیم کی سورۃ الانعام میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿مَا فَرَّطَنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (آیت ۳۸) ”اور ہم نے کتاب (قرآن) میں کسی چیز کی کمی باقی نہیں چھوڑی۔“

(۳) حذف اسناد

تفسیر ماثور کے اسبابِ ضعف میں اسناد کا حذف کرنا بھی شامل ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل امور کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرات صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم جو روایت بھی کسی سے اخذ کرتے، اس میں صحت کا خصوصی خیال رکھتے تھے۔ جب تک ان کو صحت روایت کا یقین نہیں ہو جاتا تھا وہ اس روایت کو آگے بیان نہیں کرتے تھے۔ مگر وہ سند کے مانہنامہ میثاق = فروری 2022ء (80)

بارے میں پوچھنے کے عادی نہ تھے۔ اس کی وجہ حضرات صحابہؓ کے دور کی امانت و عدالت تھی۔ بعض صحابہؓ کے بارے میں جو یہ معروف ہے کہ وہ شہادت یا حلف لیے بغیر کوئی روایت قبول نہیں کرتے تھے تو اس کی وجہ مزید پختگی اور اطمینان قلب ہے، عدم اعتماد ہرگز نہیں۔ ایک مرتبہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک حدیث روایت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اس کی تائید میں شہادت پیش کریں۔ چنانچہ کچھ انصاری صحابہؓ نے گواہی دی کہ ہم نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں نے آپ کو متهم نہیں کیا، میں صرف تائید چاہتا تھا۔ (اسلوب الحدیث) صحابہؓ کے بعد جب تابعین کا دور آیا اور وضع حدیث کا چرچا ہونے لگا تو پھر سند کے بغیر کسی روایت کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔ جب سند میں کوئی غیر ثقہ راوی ہوتا تو ایسی روایت رد کر دی جاتی۔ امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں مشہور تابعی ابن سیرینؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پہلے اسناد کے بارے میں دریافت نہیں کیا جاتا تھا، جب (وضع حدیث کے) فتنہ کا آغاز ہوا تو اسناد و رجال کے بارے میں پوچھا جانے لگا۔ عصر تابعین میں معاملہ یونہی چلتا رہا۔ جو تفسیر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ سے نقل کی جاتی، اس کے ساتھ سند مذکور ہوتی تھی۔ عہد تابعین کے بعد ایسے اشخاص منظر عام پر آئے جنہوں نے تفسیر قرآن سے متعلق تمام ذخیرہ کیجا کر دیا۔ اس میں احادیث نبویہ کے ساتھ صحابہ کرامؓ اور تابعین کے اقوال و آثار مع سلسلہ اسناد محفوظ تھے، جیسے سفیان بن عینیہ و کبیع بن الجراح اور دیگر علماء کی تفاسیر وغیرہ۔ پھر ایسے لوگ سامنے آئے جنہوں نے کتب تفاسیر تالیف کیں اور اسناد کو حذف کر کے تفسیری اقوال کو ان کے قائلین کی جانب مسوب نہ کیا۔ چونکہ انہوں نے صحت سند کا التزام نہ کیا، اس لیے صحیح و سقیم اقوال باہم مل جل گئے اور اصل کی پہچان مشکل ہو گئی۔ اس کے بعد تو یہ حالت ہو گئی کہ جس شخص کو بھی کوئی قول ملتا، وہ اسے نقل و روایت میں کوئی باک نہ سمجھتا اور نہ اسے کچھ محسوس ہوتا۔ پھر بعد میں آنے والوں (متاخرین) نے بے خوف و خطر یہ سمجھتے ہوئے ایسے اقوال کو نقل کر دیا کہ یہ اصل صحیح پر مبنی ہیں۔ ایسا کرتے وقت وہ متقد میں (سلف) کی کسی تحریر یا تائید کے متلاشی نہیں ہوتے تھے۔ (الاتقان)

اس باب میں حق بات یہ ہے کہ اسناد کا حذف کرنا تمام اسباب ضعف سے زیادہ خطرناک اور ہلاکت خیز تھا۔ حذف اسناد کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ جو کوئی بھی ایسی کتب تفاسیر کو دیکھتا وہ ان کے ماہنامہ میثاق = فروری 2022ء (81)

مندرجات اور حوالہ جات کو صحیح اور مستند خیال کرتا۔ اسی طرح اکثر مفسرین ان سے متعلقہ اسرائیلی روایات، غیر مستند اور وضعی واقعات کو صحیح اور ثقہ سمجھ کر نقل کرنے لگے، حالانکہ یہ عقل و نقل دونوں کے بالکل خلاف تھے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وضع حدیث اور اسرائیلی روایات (اسراءہمیات) دونوں خطرناک ہیں، مگر حذفِ آسناد کی ہلاکت ان دونوں سے بڑھ کر ہے۔ آسناد کا ذکر کرنے کی صورت میں اس خطرے کی تلافی ممکن تھی، مگر صدحیف کہ حذفِ آسناد یا راوی کا نام لیے بغیر روایت کرنا کہ کسی نے کہا، اس عمل نے ہر چیز اور بات کو بعد والوں کے لیے بالکل تاریک کر دیا۔ اے کاش! جن اشخاص نے اسانید کو حذف کر کے مختلف اقوال و آثار کو جمع کیا تھا، وہ کم از کم اپنی تفسیر میں ابن جریر طبری کی طرح ہر قول کو مع سند ہی ذکر کرتے۔ ابن جریر نے اپنی مرویات میں اگرچہ صحیت کا التزام نہیں رکھا مگر ان کا اعذر یہ ہے کہ انہوں نے ہر روایت کی سند بیان کر دی ہے اور پڑھنے والا اس میں صحیح اور غلط کی پہچان کر سکتا ہے۔ علمائے سلف کے ہاں جب کسی روایت کو اس کی صحیح سند کے ساتھ ذکر کر دیا جائے تو پھر تحریر کرنے والے کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ تھی کہ عہدِ سلف میں عمومی طور پر راویوں کے حالات وغیرہ معروف تھے اور متعلقہ روایت کے صحیح، غلط یا وضعی ہونے کا اسی سے پتہ چل جاتا تھا۔ لیکن بعد کے زمانے میں کیفیات بدل گئیں اور حذفِ آسناد سے زبردست فتنہ و گمراہی پھیلنے لگی۔

(جاری ہے)



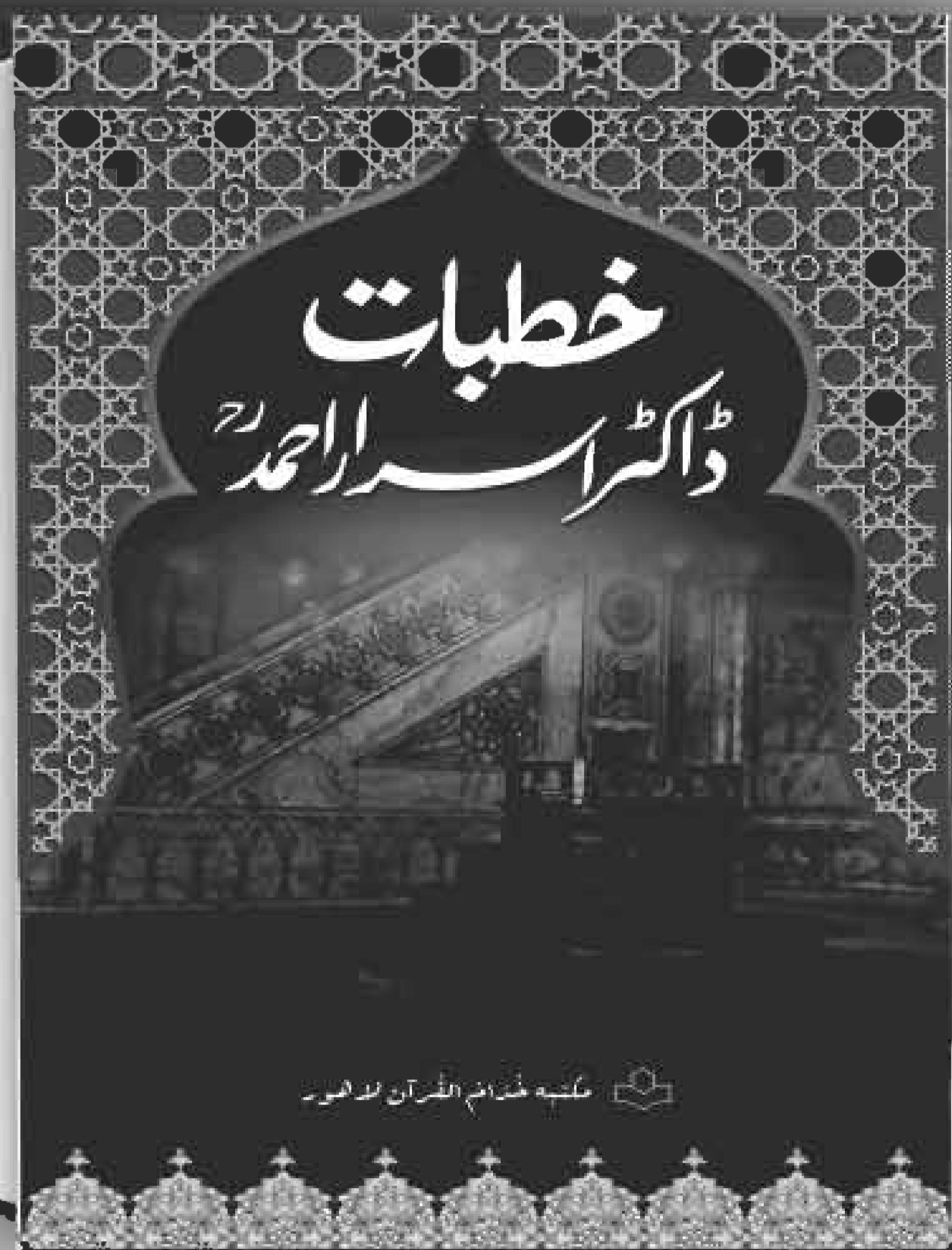
ہماری ویب سائٹ

www.tanzeem.org

پر ملاحظہ کیجیے:

- ☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
- ☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورہ ترجمہ قرآن
- ☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
- ☆ تلاوت قرآن دروس قرآن دروس حدیث اور خطابات جمع
- ☆ صحیح بخاری، صحیح مسلم، موطا امام مالک اور اربعین نوویٰ کے تراجم
- ☆ بیت المقدس قرآن اور نداء خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
- ☆ اردو اور انگریزی کتابیں
- ☆ آڈیو و ویڈیو کیسٹشنس ریڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست

بانی محترم کے مختصر مگر جامع خطابات جمعہ
حکمت و فلسفہ دین اور اہم دینی مسائل پر مشتمل کتاب



384 صفحات

22 خطبات کا مجموعہ

قیمت:- 400/-

معیاری طباعت

اپورٹنڈ بک پپیر

مضبوط جلد

دیدہ زیب ٹائش

مکتبہ خدام القرآن لاہور

K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501 (042)

Feb 2022

Vol. 57

Regd. CPL No.115

No.2

Monthly Meesaq Lahore

The advertisement features four bottles of Kausar Cooking Oils arranged in a staggered, overlapping fashion. The top two bottles are yellow with a sunflower design, while the bottom two are green with a sunflower design. Each bottle has a black cap and a small red tab on the side. The brand name 'Kausar' is printed on each bottle, along with the words 'COOKING OILS' and 'BANASPATI'. The background is white, and there are decorative sunflowers and red berries scattered around the bottles.

Kausar

BANASPATI & COOKING OILS

کاؤسار بناسپتی کوکنگ اولس

f KausarCookingOils

Pakistan Standards